فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف آغاز

نحمدہ نصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر جتنا لکھا جا چکا ہے اس کو حد وشمار میں لانا ناممکن ہے۔ ہر شخص نے اپنے علم اور مرتبے کے مطابق اس ذات عالی مقام صلی اللہ علیہ وسلم کی حمد وثنا کی ہے۔ غیر مسلموں نے بحثیت ایک تاریخ ساز شخصیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے محاسن گنوائے ہیں لیکن ایک مسلمان کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر و برکت اور نجات کا ذریعہ ہے۔ راقم الحروف نے بھی اس خیر و برکت کے حصول اور اپنی نجات کے سامان کے طور پر سیرت نبوی کا یہ مجموعہ تیار کیا ہے۔ اس امید کے ساتھ کہ وہ رب کریم اپنے رسول کریم کے صدقے اس ناکارہ کو اپنے عفو و کرم کا مستحق بنا دے۔

میں حیثیت سوالی کے سوا کچھ نہیں رکھتا　　متاع بے کمالی کے سوا کچھ نہیں رکھتا

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ لگاؤ ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ:

مدار کار ہے حب رسول ورنہ　　عمل ہزار ہوں اچھے ثواب کیا ہوگا

لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اس والہانہ عقیدت کے باوجود ہمیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے متعلق بہت کم معلومات ہیں۔ جو کچھ عام طور پر بیان کیا جاتا ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کا تاریخی پہلو ہوتا ہے اس میں بھی خاص طور پر آپ کی پیدائش اور رضاعت وغیرہ کے واقعات یا پھر آپ کے معجزات بیان کیے جاتے ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے دیگر پہلو جو اس کو اسوہ حسنہ بناتے ہیں ان سے کما حقہٗ آگاہی نہیں ہوتی ہے۔ یہ وہ پہلو ہیں:

ع جس نے ذروں کو اٹھایا اور صحرا کر دیا

ضرورت اس بات کی ہے کہ جہاں درس قرآن اور حدیث کے حلقے قائم کیے جاتے ہیں اسی طرح سیرت پاک کے حلقے بھی ہوں جہاں سیرت پاک کے تاریخی پہلو کے ساتھ ساتھ عملی پہلو کو بھی اجاگر کیا جائے اور اس کے ذریعے مسلمانوں میں یہ یقین اور شوق پیدا کیا جائے کہ ہماری انفرادی اور اجتماعی فلاح اسی ذات کامل کی کامل اتباع میں ہے۔

وہ جن کی خاک کف پا کو چوم لینے پر　　بلندیوں کی سند آسماں کو ملتی ہے

اس مجموعے میں میں نے ان احادیث مبارکہ کو جمع کیا ہے جن کا موضوع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے خواہ وہ خود زبان مبارک سے بیان ہوا یا صحابہ کرام نے اس کا اظہار فرمایا۔ فائدہ بھی اسی پہلو سے لکھا گیا ہے اور مزید قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ کے حوالوں سے مزین کیا گیا ہے۔ فائدہ میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ سیرت کی معروف و مشہور کتابوں سے اخذ کیا گیا ہے۔ راقم کی خدمت بس اتنی ہے کہ اس کو آراستہ کر کے ہدیہ ناظرین کر دیا ہے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ اس کا واحد مقصد صرف اور صرف اپنے صحیفہ حیات کو ایک روشن جگمگ کرتے نور سے آراستہ کرنا ہے۔ آپ کی خدمت میں پیش کرنے میں بھی یہی نیت کارفرما ہے کہ شاید اس کو پڑھ کر کسی کی زندگی سنور جائے اور وہ بھٹکی ہوئی روح اپنے رب کی طرف رجوع کر لے تو اس ناکارہ کے لیے نجات کا کوئی سامان ہو جائے ورنہ پاس بجز ندامت کے کچھ بھی نہیں۔ خواہش تو یہ ہے کہ مسلمانوں کا ہر گھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر سے مہک جائے۔ اگر مناسب سمجھیں تو اس مجموعے کو تھوڑا تھوڑا کر کے اپنے گھر اور اپنے احباب میں پڑھ کر سنا دیں۔

اس مجموعے میں جو کچھ ظاہری یا معنوی حسن اور خوبی ہے اس کی وجہ ایک ہے اور صرف ایک ہے وہ یہ کہ یہ اس کا ذکر ہے جو خود سراپا خوبی ہے اور اس سے ادنی درجے کی نسبت بھی کسی چیز کو حسن و خوبی عطا کرنے کے لیے کافی ہے۔ جہاں جہاں آپ کو بے ربطگی نظر آئے گی وہ اس سراپا عجز اور خطا کار کے سبب سے ہے، جس پر شرمساری ہے! اگر اس مجموعے کو پڑھ کر آپ کو اس ذات بابرکت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق میں زیادتی محسوس ہو تو یہ خالصتاً اس رب کا انعام ہے آپ پر ہے۔ اس ناچیز کے ذمے صرف بلاغ ہے۔ البتہ اتنا حق آپ پر ضرور ہے کہ اس ناکارہ کے حسن خاتمہ کی دعا ضرور فرمایئے گا۔

اپنے قیمتی مشوروں سے نواز کر آپ بھی اس کار خیر میں اپنا حصہ ڈال سکتے ہیں۔ ہر مناسب مشورہ پر غور کر کے اس پر عمل کی کوشش کی جائے گی۔ اگر کوئی صاحب اس مجموعے کو شائع کرنا چاہتے ہیں تو ہماری طرف سے اجازت ہے۔ اللہ ان کے لیے اس کو بھرپور اجر کا باعث بنائے۔

للہ تعالی سے دعا ہے کہ اس حقیر کوشش کو محض اپنے کرم سے قبولیت کا شرف بخشے اور پڑھنے والوں کے لیے نافع بنائے۔

میں ہمیشہ اپنے سوال شوق کی کمتری پہ خجل رہا　　کہ تری نوازش بیکراں نے مری طلب سے سوا دیا

ابو خلدون

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے

عَنْ عَبْدُاللّٰہِ بِنْ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَقِیَ زَیْدَ بِنْ عَمْرِو بِنْ نُفَیْلٍ بِاَسْفَلَ بَلْدَحٍ قَبْلَ اَنْ یُنْزَلَ عَلَی النَّبِیّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اَلْوَحْیُ فَقُدِّمَتْ اِلَی النَّبِی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سُفْرَۃٌ فَاَبٰی اَنْ یَّاْکُلَ مِنْھَا ثُمَّ قَالَ زَیْدٌ اِنِّی لَسْتُ اٰکُلُ مِمَّا تَذْبَحُوْنَ عَلٰی اَنْصَابِکُمْ وَلَا اٰکُلُ اِلَّا مَا ذُکِرَ اسْمُ اللّٰہ عَلَیْہِ وَ اِنَّ زَیْدَ بِن عَمْرِو کَانَ یَعِیْبُ عَلٰی قُرَیْشٍ ذَبَائِحَھُمْ وَ یَقُوْلُ الشَاۃُ خَلَقَھَا اللّٰہُ وَ اَنْزَلَ لَھَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً وَ اَبْنَتَ لَھَا مِنَ الْاَرْضِ ثُمَّ تَذْبَحُوْنَھَا عَلٰی غَیْرِ اِسْمِ اللّٰہِ اِنْکَارًا لِذٰلِکَ وَاِعظَامًا لَہٗ.

(صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب حدیث زید بن عمرو بن نفیل)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مقام بلدح کی نچلی سمت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زید بن عمرو بن نفیل سے ملاقات ہوئی اس وقت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول شروع نہیں ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھانے کا دسترخوان پیش کیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کھانے سے انکار فرما دیا۔ اس کے بعد زید بولے جو جانور تم لوگ اپنے بتوں کے سامنے ذبح کرتے ہو میں ان کا گوشت نہیں کھاتا میں تو صرف اس جانور کا گوشت کھاتا ہوں جو اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ زید قریش کے ذبیحوں پر نکتہ چینی فرمایا کرتے اور کہا کرتے تھے عجیب بات ہے کہ بکری کو پیدا تو اللہ تعالیٰ کرے، وہی آسمان سے بارش بھیجے اور وہی اس کے لیے سبزہ اگائے پھر یہ کس قدر ظلم ہے کہ تم اس کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کرو۔ اس تقریر سے زید کا مقصد ان کے اس فعل پر انکار کرنا تھا۔

فائدہ:

اس حدیث شریف سے ہمیں دو باتیں معلوم ہوئیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے پہلے بھی اس دور کے عربوں میں رائج خرابیوں سے محفوظ تھے۔ بعض اور روایتوں سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے آپ نبوت سے پہلے عربوں میں رائج جاہلانہ طور طریقوں سے محفوظ تھے۔ اس حدیث شریف سے اس وقت کے عرب معاشرے کی ایک جھلک بھی سامنے آتی ہے۔ جس وقت صلی اللہ علیہ وسلم نے علم نبوت بلند کیا یہ وہ زمانہ تھا کہ صرف عرب ہی نہیں بلکہ تمام عالم پر جہالت کی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ روحانی اور اخلاقی طور پر دنیا سچ مچ ایک اندھیر نگری تھی۔ وحشت و درندگی کا دور دورہ تھا۔ انسانیت، تہذیب، اخلاق کے نام تذکرے ہی کے طور پر تھے ورنہ حقیقت کی دنیا میں اس کا کوئی رواج نہ تھا۔ ہر طرف شیطان کی حکمرانی تھی۔ اس دور کے عرب کی تصویر سیدنا جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نجاشی کے دربار میں ان الفاظ سے کھینچی تھی:

> ''اے بادشاہ! ہم جہالت میں مبتلا تھے، بتوں کو پوجتے تھے، نجاست میں آلودہ تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے، ہمسایوں کو ستاتے تھے، بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا، قوی لوگ کمزوروں کو کھا جاتے تھے، کوئی قاعدہ قانون نہ تھا۔ ایسی حالت میں اللہ نے ہم میں سے ایک شخص کو پیدا کیا جس کے حسب ونسب، سچائی دیانتداری، تقویٰ پاکیزگی سے ہم خوب واقف تھے۔ اس نے ہمیں اسلام کی دعوت دی اور یہ سمجھایا کہ اس اکیلے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ جانیں۔ اس نے ہم کو بتوں کی پوجا سے روکا۔ اس نے فرمایا کہ ہم سچ بولا کریں، وعدہ پورا کریں۔ اس نے ہمیں قرابت جوڑنے، پڑوسی سے اچھا سلوک کرنے اور حرام کاری وخونریزی سے باز رہنے کا حکم دیا۔ اور یتیموں کا مال کھانے، جھوٹ بولنے، پاک دامن عورتوں پر جھوٹا الزام لگانے سے منع کیا۔ اس نے ہمیں حکم دیا کہ ہم نماز پڑھیں، صدقہ دیا کریں، روزے رکھا کریں۔ ہماری قوم ہم سے ان باتوں پر بگڑ گئی۔ قوم نے جہاں تک ہوسکا ہم کو ستایا تاکہ ہم اللہ وحدہ لا شریک لہ کی عبادت کرنا چھوڑ دیں اور لکڑی اور پتھر کی مورتوں کو پوجا کرنے لگ جائیں۔ ہم نے ان کے ہاتھوں بہت ظلم اور تکلیفیں اٹھائی ہیں اور جب مجبور ہوگئے تب تیرے ملک میں پناہ لینے کے لئے آئے ہیں۔'' (بحوالہ مسند احمد)

اسلام سے پہلے عرب میں کبھی کوئی باقاعدہ حکومت نہیں قائم ہوئی تھی۔ ان کا سیاسی اور معاشرتی نظام قبائلی طرز کا تھا۔ وہ مختلف قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ہر قبیلہ آزاد اور خودمختار تھا جس کا اپنا ایک سردار ہوتا تھا۔ اس خودمختاری نے ان پر بہت برا اثر ڈالا تھا۔ یہ قبائل مستقل آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ قتل، غارت گری اور ڈاکہ زنی عام تھی۔ بے کاری اور کاہلی نے جوا اور شراب نوشی کی عادت پیدا کردی تھی۔ اپنے فحش کارناموں کو ظاہر کرنے میں انہیں ذرا خوف نہیں تھا۔ جہالت نے ان میں بت پرستی رائج کر دی تھی اور بت پرستی نے دل و دماغ پر قابض ہوکر ان کو توہم پرست بنا دیا تھا۔ نجومیوں، کاہنوں پر بھی ان کا ایمان تھا۔ بدروحوں سے لے کر چاند سورج تک سبھی کی عبادت کی جاتی تھی۔ ان کے ناموں پر انسان تک کی قربانی کی جاتی تھی۔ خود خانہ کعبہ تین سو ساٹھ بتوں کا گھر بن گیا تھا۔

غربت اور بھوک عام تھی اور لوگ ضروری کپڑوں اور لباس سے بھی بڑی حد تک محروم تھے۔ سوائے چند لوگوں کے، عرب تمام کے تمام پڑھنے لکھنے سے بے

خبر، علوم سے ناواقف، فنون سے عاری، تمدن سے خالی، مصالحت اور معافی سے نا آشنا تھے۔ اللہ کی ہستی کا اقرار اور جزا وسزا کا تصور، اچھے اور برے اعمال پر اچھے برے نتائج پیدا ہونا ان کے نزدیک ایک بیوقوفانہ بات تھی۔ حق و ناحق کا ان کے نزدیک کوئی معیار نہیں تھا۔ لوگ جانوروں جیسی زندگی گزار رہے تھے، دو سگی بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کر لینا ان کے نزدیک کوئی عار کی بات نہیں تھی۔ یہاں تک کہ باپ کے طلاق دینے یا وفات پانے کے بعد بیٹا اپنی سوتیلی ماں سے بھی نکاح کر لیتا تھا۔ عورت بیچی اور خریدی جاتی تھی۔

عرب کے باہر کی دنیا کی حالت بھی کچھ اچھی نہ تھی۔ روم و فارس ہی اس زمانے کی دو بڑی طاقتیں تھی جو عرب کے آس پاس تھیں اور وہ انتہائی زوال اور انحطاط کا شکار تھیں۔ انسان مالک اور غلام یا حاکم ومحکوم کے دو طبقوں میں بٹا ہوا تھا۔ حکمران عیاشیوں اور لذتوں میں ڈوبے ہوئے تھے اور عوام الناس کا کام ان کے خزانے بھرنے کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ ان دونوں طاقتوں کے درمیان برابر جنگیں ہوا کرتی تھیں جن سے وسائل کی بربادی ہوتی رہتی تھی اور دنیا کا امن و چین غارت ہوا کرتا تھا۔

یہودی توریت کی تعلیمات سے غافل ہو چکے تھے۔ حلال وحرام، جائز و ناجائز کا دارومدار یہودی علما کے فیصلے پر تھا جو شرعی فتووں کا کاروبار کرتے تھے۔ سودخوری، تجارت میں بے ایمانی، عہد شکنی، احسان ناشناسی اور منافقت ان کے کردار کی خصوصیتیں بن گئی تھیں۔ مسیحیت بت پرستی کا شکار ہو چکی تھی۔ توحید کی جگہ تثلیث کو رائج کر دیا گیا تھا۔ عیسائیوں کے مختلف فرقے ایک دوسرے پر کافر ہونے کا فتوی دینے لگے تھے۔ دنیا کی وہ حالت تھی جس کا نقشہ اللہ پاک نے سورۃ روم آیت نمبر ۴۱ میں یوں کھینچا ہے:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِيْ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِى النَّاس﴾

خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب فساد پھیل گیا ہے۔

اسی فساد کی اوٹ سے وہ قوت ابھرنے والی تھی جس کے ذمے انسانیت کو اس ظلمت و تاریکی سے نکال کر ہدایت کے نور کی طرف رہنمائی کرنی تھی۔

صدا ہاتف نے دی اے ساکنان خطہ ہستی ہوئی جاتی ہے پھر آباد یہ اجڑی ہوئی بستی
مبارکباد ہے ان کے لیے جو ظلم سہتے ہیں کہیں جن کو اماں ملتی نہیں برباد رہتے ہیں
خبر جا کر سنا دو شش جہت کے زیردستوں کو زبردستی کی جرات اب نہ ہوگی خود پرستوں کو
معین وقت آیا زور باطل گھٹ گیا آخر اندھیرا مٹ گیا ظلمت کا بادل چھٹ گیا آخر

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بچپن

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَتَاہُ جِبْرَئِیْلُ وَ ھُوَ یَلْعَبُ مَعَ الْغِلْمَانِ فَاَخَذَہُ فَصَرَعَہُ فَشَقَّ عَنْ قَلْبِہٖ فَاسْتَخْرَجَ مِنْہُ عَلَقَۃً فَقَالَ ھٰذَا حَظُّ الشَّیْطَانِ مِنْکَ ثُمَّ غَسَلَہُ فِیْ طَسْتٍ مِنْ ذَھَبٍ بِمَاءِ زَمْزَم ثُمَّ لَاَمَہُ وَ اَعَادَہُ فِیْ مَکَانِہٖ وَ جَاءَ الْغِلْمَانُ یَسْعَوْنَ اِلٰی اُمِّہٖ یَعْنِیْ ظِئْرَہُ فَقَالُوْا اِنَّ مُحَمَّدًا قُتِلَ فَاسْتَقْبَلُوْا وَ ھُوَ مُنْتَقِعُ اللَّوْنِ. قَالَ اَنَسٌ فَکُنْتُ اَرَی اَثَرَ الْمِخْیَطِ فِیْ صَدْرِہٖ.

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الإسراء برسول الله صلی الله علیه وسلم إلسماوات و فرض الصلوات)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کے ساتھ کھیل تماشا دیکھنے میں مشغول تھے۔ انہوں (یعنی جبرئیل علیہ السلام) نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ کرلٹا دیا اور قلب مبارک چیر کر اس میں خون بستہ کا ایک ٹکڑا نکال دیا اور کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ تھا شیطان کا حصہ جس کو میں نے نکال کر پھینک دیا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو زمزم کے پانی سے ایک سونے کے طشت میں ڈال کر دھویا پھر اس کو سی دیا اور اپنی جگہ رکھ دیا۔ بچے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی ماں کے پاس دوڑتے ہوئے آئے اور اطلاع دی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قتل کر دیے گئے۔ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے نکلے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ فق پڑا ہوا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں ہمیشہ اس سلائی کا نشان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک میں دیکھا کرتا تھا۔

فائدہ:

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی کے بیٹے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ دادا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ماں نے ایک بشارت کی بنیاد پر احمد صلی اللہ علیہ وسلم نام رکھا تھا۔ تاریخ ولادت میں مؤرخین کا اختلاف ہے لیکن یہ بات طے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیر کے دن صبح صادق اور طلوع آفتاب کے درمیان جب کہ موسم بہار کا تھا اس عالم خاکی میں جلوہ افروز ہوئے۔ پیدائش کے بعد دادا اپنے لاڈلے بیٹے عبداللہ کی یادگار کو خانہ کعبہ میں لے گئے اور دعا مانگ کر واپس لائے۔ ساتویں دن قربانی کی اور تمام قریش کو دعوت دی۔

دادا عبدالمطلب نے مروجہ نام چھوڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیوں رکھا؟ خود ان کا کہنا ہے: ''میں چاہتا ہوں کہ میرا بچہ دنیا بھر کی ستائش اور تعریف کا مستحق قرار پائے۔ شرفائے مکہ کے دستور کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی دودھ پلانے کے لیے حلیمہ سعدیہ کے سپرد کر دئے گئے۔ ہر چھ ماہ بعد حلیمہ سعدیہ والدہ اور دیگر عزیزوں کو سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کراجاتی تھیں۔ اس دوران کا ایک قابل ذکر واقعہ جو کتابوں میں ملتا ہے وہ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رضاعی ماں کا صرف ایک طرف کا دودھ پیتے تھے۔ اگر حلیمہ سعدیہ دوسری طرف سے پلانا بھی چاہتی تھیں تو نہ پیتے تھے کہ وہ بھائی کا حصہ ہے۔

دو سال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دودھ چھڑایا گیا۔ جب سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم عمر کے چوتھے سال میں پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس بلالیا۔ بچپن کے یہ چار سال جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی سعد کے درمیان صحرا میں گزارے وہاں قوت و طاقت، صحت و تندرستی، فصاحت و بلاغت، شجاعت و بلند ہمتی وغیرہ جیسی صفات سے مالا مال ہوئے۔ بچپن ہی میں بہترین گھڑ سوار ہو گئے۔

عمر شریف چھ سال کی ہوئی تو والدہ کا انتقال ہو گیا۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ اس سانحہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر کیا گزری ہوگی لیکن چشم خیال اتنا تو دکھاتی ہے کہ اکلوتا بیٹا ماں کو کتنا پیارا ہوگا اور بیٹا بھی ماں سے کیسی محبت کرتا ہوگا۔ یقیناً یہ جدائی سخت کٹھن اور غم انگیز ہوگی۔

اب دادا نے یتیم پوتے کی پرورش کی ذمہ داری اٹھالی۔ عمر عزیز آٹھ سال کی ہوئی تو دادا عبدالمطلب نے ۸۲ سال کی عمر میں وفات پائی۔ دادا عبدالمطلب کو اپنے سب سے لاڈلے بیٹے کی اس اکلوتی نشانی سے بے حد محبت تھی۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سعادتمندی اور ذہانت نے سونے پر سہاگہ کا کام کر دیا تھا۔ دادا کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر معمولی شخصیت کا یقیناً کچھ نہ کچھ اندازہ تھا جس کا اظہار یوں ہوتا تھا کہ جب وہ قریش کے ایک بڑے سردار ہونے کی حیثیت سے ان کے فیصلے کرنے بیٹھتے تو اس وقت پوتا بھی پاس ہی بیٹھتا اور لوگوں کے منع کرنے پر دادا کہتے: ''مجھے امید ہے کہ یہ بہت بڑے مرتبے والا ہوگا۔''

دادا کے انتقال کے بعد اب چچا ابو طالب باپ کی وصیت کے مطابق سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سرپرست ٹھہرے اور اپنی زندگی کی آخری سانس تک اس کو نبھایا۔ ابو طالب کے گھر میں بچوں کا ناشتہ جب آتا تو سب مل کر اس پر ٹوٹ پڑتے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے دور رہتے۔ جب ابو طالب نے یہ ماجرا دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ناشتہ الگ آنے لگا۔

بچپن ہی سے ذہانت ہوشمندی اور بیدار مغزی چہرے سے ظاہر ہوتی تھی جو ہر ایک کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی تھی۔ گھر کے بزرگ کوئی چیز وغیرہ رکھ کر بھول

جاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اسے ڈھونڈ لاتے تھے۔ اسی دوران سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت انبیا علیہم السلام کے مطابق بکریاں چرائیں۔ اس پر اہل مکہ سے اجرت بھی ملتی تھی جس کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کثیر اولاد چچا، جو مالی طور پر بھی تنگ رہتے تھے، ان کا ہاتھ بٹا دیتے تھے۔ اس شبانی (بکریاں چرانے) میں دراصل آنے والی ذمہ داریوں کے لیے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت فرمائی جا رہی تھی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جوانی

عَنْ زَیْدِ بْنِ حَارِثَۃَ قَالَ کَانَ صَنَمٌ مِنْ نُحَاسٍ یُقَالُ لَہٗ اِسَافٌ وَ نَائِلَۃُ یَمَسَّحُ بِہِ الْمُشْرِکُوْنَ اِذَا طَافُوْا فَطَافَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ طُفْتُ مَعَہٗ فَلَمَّا مَرَرْتُ بِہٖ مَسَحْتُ بِہٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَمَسَّہٗ قَالَ زَیْدٌ فَطُفْنَا فَقُلْتُ فِیْ نَفْسِیْ لَاَمُسَّنَّہٗ حَتّٰی اَنْظُرَ مَا یَکُوْنُ فَمَسَحْتُہٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلَمْ تَنْہَ.قال الْبَیْھَقِي زَادَ غَیْرُہٗ عَنْ مُحَمَّدٍ بْنِ عَمْرٍو بِاِسْنَادِہٖ قَالَ زَیْدٌ فَوَالَّذِیْ اَکْرَمَہٗ وَ اَنْزَلَ عَلَیْہِ الْکِتَابَ مَا اسْتَلَمَ صَنَمًا قِطّ حَتّٰی اَکْرَمَہ اللّٰہُ تَعالیٰ بِالَّذِیْ اَکْرَمَہ وَ اَنْزَلَ عَلَیْہِ.

(سنن البیھقی)

حضرت زید بن حارثہ بیان کرتے ہیں کہ (مکہ مکرمہ میں) تانبے کا ایک بت تھا جس کو لوگ افاس و نائلہ کہتے تھے۔مشرک جب طواف کرتے تو (برکت کے لیے) اس کو ہاتھ لگایا کرتے تھے۔ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کیا میں نے بھی آپ کے ساتھ طواف کیا جب اس بت کے پاس سے گزرا (تو حسب دستور) میں نے بھی اس کو ہاتھ لگایا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''اس کو ہاتھ نہ لگانا۔'' زید کہتے ہیں میں نے اپنے دل میں کہا میں ضرور ہاتھ لگاؤں گا، دیکھوں کیا ہوتا ہے۔ چنانچہ میں نے ہاتھ لگایا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''باز نہ آؤ گے۔'' اس روایت میں بعض راویوں نے اتنا اضافہ اور کیا ہے کہ زید کہتے ہیں کہ''اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے سرفراز کیا اور آپ پر قرآن نازل فرمایا آپ نے کبھی کسی بت کو نبوت سے قبل بھی ہاتھ نہیں لگایا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت سے نوازا اور آپ پر قرآن کریم نازل فرمایا۔''

فائدہ:

یہ واقعہ نبوت سے پہلے کا ہے۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبوت سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت اور نگرانی فرماتا تھا اور جاہلیت کی تمام نازیبا حرکتوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دور دور رکھتا تھا۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عین دور شباب میں بلحاظ مروت،سب سے افضل،اخلاق میں سب سے بہتر،پڑوس کی رعایت سب سے زیادہ کرنے والے،حلم و بردباری میں سے بڑھ کر،گفتگو میں سب سے زیادہ راست باز،امانت داری میں سب سے زیادہ بڑھ کر،تمام فحش باتوں اور ان تمام بداخلاقیوں سے جو انسان کے لیے باعث ندامت ہوں کوسوں دور تھے۔

نبوت سے پہلے کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی نہ صرف ہر طرح کی لغزشوں سے پاک تھی بلکہ سراسر خیر و فلاح کا اعلیٰ ترین نمونہ تھی اسی لیے اس وقت بھی قریش آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا اقرار کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صادق و امین کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ایک واقعہ جو اس کا منہ بولتا ثبوت ہے وہ خانہ کعبہ میں حجر اسود کی تنصیب کا ہے۔اس واقعہ کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمر عزیز ۳۵ سال تھی۔ واقعہ یوں ہے کہ سیلاب کے پانی نے کعبہ شریف کی دیواروں کو کافی نقصان پہنچایا جس کی وجہ سے قریش نے اس کو دوبارہ تعمیر کا ارادہ کیا۔اس تعمیر میں یہ شرط تھی کہ اس میں صرف اور صرف حلال مال استعمال ہوگا۔قریش کے تمام قبیلے عمارت بنانے میں شامل تھے لیکن جب تعمیر مکمل ہوگئی اور مرحلہ حجر اسود کو اپنے مقام پر لگانے کا آیا تو تمام ہی قبیلے اس بات پر اڑ گئے کہ یہ اعزاز اسی کا حق ہے۔ یہاں تک کہ صورتحال جنگ کی سی ہوگئی اور پانچ دن تک معاملہ کھٹائی میں پڑا رہا۔بالآخر ایک رائے یہ ٹھہری کہ اس کام کو اللہ پر چھوڑ دیا جائے اور اگلی صبح جو شخص باب بنی شیبہ سے حرم کعبہ میں داخل ہو اسے اپنا ثالث مان لیا جائے۔ جو فیصلہ وہ کرے گا وہ سب کو منظور ہوگا۔اگلی صبح کا سورج طلوع ہوا تو باب شیبہ سے نور ہدایت،فخر انسانیت افضل البشر خاتم النبین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوئے۔قریش بھی نعرہ زن ہوئے، وہ دیکھو صادق و امین آگئے۔اب صادق و امین ہی فیصلہ کرنے والے ٹھہرے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چادر میں حجر اسود کو رکھا۔تمام قبیلوں نے اپنے نمائندے مقرر کر دئے جنھوں نے چادر کا ایک ایک کنارہ پکڑ کر چادر کو اونچا کیا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اس کو صحیح مقام پر نصب فرما دیا اور پھر آگے تمام اہل قریش تعمیر کے کام میں لگ گئے۔

یہ ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو آج قریش کے نجات دہندہ بن کر سامنے آئے جو عنقریب تمام عالم انسانیت کا نجات دہندہ بننے والے ہیں۔

اس واقعے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرز اور طریقے کا پتہ چلتا ہے جو آگے چل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی میں بالکل واضح نظر آتا ہے وہ ہے میل ملاپ، اتحاد و اتفاق اور باہمی تعاون۔نفرت نہیں محبت، افراط و تفریط نہیں بلکہ اعتدال۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں اس امت کی بھی یہی ذمہ داری ہے۔قرآن پاک نے بھی اس امت کو امت وسط کہا ہے:

﴿وَ کَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا۔﴾ (بقرہ:۱۴۳)

اور اسی طرح ہم نے تم کو امت معتدل بنایا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سراپا

كَانَ عَلِيٌّ رَضِىَ اَللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ اِذَا وَصَفَ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ بِالطَّوِيْلِ الْمُمَغَّطِ وَ لَا بِالْقَصِيْرِ الْمُتَرَدِّدِ وَ كَانَ رَبْعَةً مِنَ الْقَوْمِ وَ لَمْ يَكُنْ بِالْجَعْدِ الْقَطَطِ وَلاَ بِالسَّبِطِ كَانَ جَعْدًا رَجِلاً وَ لَمْ يَكُنْ بِالْمُطَهَّمِ وَ لَا بِالْمُكَلْثَمِ وَ كَانَ فِىْ الْوَجْهِ تَدْوِيْرٌ، اَبْيَضُ مُشْرَبٌ اَدْعَجُ الْعَيْنَيْنِ اَهْدَبُ الْاَشْفَارِ جَلِيْلُ الْمُشَاسِ وَ الْكَتَدِ اَجْرَدَ ذُو مَسْرُبَةٍ شَثْنُ الْكَفَّيْنِ وَ الْقَدَمَيْنِ اِذَا مَشٰى تَقَلَّعَ كَاَنَّما يَمْشِىْ فِىْ صَبَبٍ وَ اِذَا الْتَفَتَ الْتَفَتَ مَعًا بَيْنَ كَتِفَيْهِ خَاتَمُ النُّبُوَّةِ وَ هُوَ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ اَجْوَدُ النَّاسِ صَدْرًا وَ اَصْدَقُ النَّاسِ لَهْجَةً وَ اَلْيَنُهُمْ عَرِيْكَةً وَ اَكْرَمُهُمْ عِشْرَةً مَنْ رَاٰهُ بَدِيْهَةً هَابَهٗ وَ مَنْ خَالَطَهٗ مَعْرِفَةً اَحَبَّهٗ يَقُوْلُ نَاعِتُهٗ لَمْ اَرَ قَبْلَهٗ وَ لَا بَعْدَهٗ مِثْلَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

(سنن الترمذی، کتاب المناقب، باب ما جاء فی صفة النبی صلی الله علیه وسلم)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف بیان کرتے تو کہتے: ’’آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو بہت لمبے تھے اور نہ بہت ٹھگنے بلکہ میانہ قد لوگوں میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال نہ تو بہت زیادہ گھونگھریالے تھے نہ بالکل سیدھے تھے بلکہ ذرا سا بل کھائے ہوئے تھے۔ نہ چہرہ بالکل گول اور بھاری تھا اور نہ گال پھولے ہوئے تھے (بلکہ پورا چہرہ مبارک ستواں، رخسار یکساں و برابر تھے اور پیشانی بلند تھی)۔ روئے مبارک کسی قدر گولائی لئے ہوئے تھا۔ رنگ سرخ و سفید تھا۔ آنکھیں سیاہ تھیں۔ پلکیں بڑی بڑی تھیں۔ جوڑوں کی ہڈیاں ابھری ہوئی اور مونڈھوں کا درمیانی حصہ (جہاں دونوں شانوں کی ہڈیاں آکر ملتی ہیں) مضبوط اور پر گوشت تھا۔ جسم مبارک پر بال نہیں تھے صرف ایک لکیر بالوں کی تھی جو سینہ مبارک سے سے ناف تک چلی گئی تھی۔ ہاتھ اور پاؤں بھرے ہوئے یعنی پر گوشت تھے۔ جب راستہ چلتے تو قوت کے ساتھ قدم اٹھاتے جیسے بلندی سے نیچے کی طرف اتر رہے ہوں۔ جب دائیں یا بائیں متوجہ ہونا ہوتا تو پورے جسم کے ساتھ متوجہ ہوتے تھے (یعنی صرف گردن نہ گھماتے تھے)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں میں سب سے زیادہ دل کے سخی اور زبان کے نہایت سچے تھے۔ طبیعت کے بہت نرم اور سب سے زیادہ عزت والے انسان تھے۔ جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلی مرتبہ دیکھتا اس پر ہیبت طاری ہوجاتی اور جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے واقفیت رکھتا ہوا میل جول رکھتا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت کرتا۔‘‘ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان صفات و خصوصیات کو بیان کرنے والے یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: ’’آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کوئی شخص نہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے دیکھا اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دیکھا۔ اللہ کی رحمت اور سلامتی ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر۔‘‘

فائدہ:

مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ جاتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گزر ام معبد کے خیموں پر ہوا جو ایک بوڑھی خاتون تھیں اور اپنے خیمے کے سامنے بیٹھی رہتیں اور مسافروں کی کھانے پینے سے خاطر کیا کرتی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں کچھ دیر ٹھہرے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں ایک معجزے کا ظہور بھی ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کا جو نقشہ ام معبد نے کھینچا وہ کچھ یوں ہے:

کھلا ہوا جمال، بڑے خوش رو، جسم کی ساخت بڑی خوبصورت، نہ بڑے پیٹ کا عیب نہ چھوٹا سر۔ بڑے خوبصورت، آنکھیں تیز سیاہ و سفید، پلکیں دراز، بڑی شیریں آواز، دراز گردن، داڑھی مبارک گھنی، ابرو خمیدہ اور درمیان سے ملی ہوئیں اور گھنی۔ اگر خاموش رہیں تو باوقار اور گفتگو فرمائیں تو فصاحت میں سب سے بلند۔ بس مجسم رونق ہی رونق اور جمال ہی جمال، کیا دور سے کیا قریب سے۔ گفتگو بڑی صاف اور شیریں، ایک ایک حرف نہ بیکار اور نہ زیادہ۔ یوں معلوم ہوتا کہ ہار کے موتی ہیں جو یکے بعد دیگرے گر رہے ہیں۔ میانہ قد، نہ بہت دراز کہ برا معلوم ہو اور نہ اتنا پست کہ اس پر نظر پڑے، بس متوسط۔ تینوں میں سے دیکھنے میں سب سے زیادہ حسین اور بلند۔ ان کے خدام حلقہ بستہ۔ اگر آواز نکالیں تو ہمہ تن گوش اور حکم دیں تو اس کی تعمیل کو دوڑ پڑیں۔ قابل رشک۔ نہ ان کا چڑھا ہوا منہ، نہ کسی کی برائی کرنا، (بحوالہ حاکم)۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دہکتے ہوئے رنگ کے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینے کے قطرے موتی کی طرح ہوتے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم راستہ چلتے تو آگے کی طرف جھکے ہوئے چلتے۔ اور میں نے کسی ریشم کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلیوں سے زیادہ ملائم اور نرم نہیں پایا اور نہ میں نے کوئی ایسا مشک و عنبر سونگھا جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک سے زیادہ خوشبو ہو، (بحوالہ بخاری و مسلم)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سے مصافحہ فرماتے تو تمام دن اس شخص کو مصافحہ کی خوشبو آتی رہتی اور جب کبھی کسی بچہ کے سر پر ہاتھ رکھ دیتے تو وہ خوشبو کے سبب دوسرے لڑکوں میں پہچانا جاتا، (بحوالہ مسلم)۔

حضرت جابرابن سمرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پنڈلیاں سبک و نازک تھیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم (عام طور پر) ہنسا نہیں کرتے تھے بلکہ مسکرایا کرتے تھے اور میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھتا تو دل کہتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سرمہ لگائے ہوئے ہیں حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سرمہ لگائے ہوئے نہ ہوتے تھے۔(بحوالہ ترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو خوبصورت نہیں دیکھا، گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار مبارک میں سورج تیر رہا ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے تھے تو دیواروں پر اس کی چمک پڑتی تھی۔ ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ دیکھنے والوں کی نظر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور عظیم، بزرگ اور دبدبے والا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ ایسا چمکتا تھا جیسے چودھویں کا چاند چمکتا ہے۔

ام المومنین صدیقہ کائنات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ زلیخا کی سہیلیاں اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کو دیکھ لیتیں تو ہاتھوں کے بجائے دلوں کو کاٹ لیتیں۔

کسی شاعر نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارک کو بہت محبت سے بیان کیا ہے۔ پڑھیے اور سوز محبت پایئے:

میانہ قد سفید و سرخ جسم سرور دو عالمؐ — کشادہ سینہ اقدس گداز و نرم و مستحکم
بلند و بالا وہ لوح جبیں شفاف و نورانی — مہ و خورشید کو ہے جس کے آگے سخت حیرانی
روش تھی ناف تک سینے سے وہ بالوں کی پتلی سی — کہ جیسے چاند کی آغوش میں ہو شاخ سنبل کی
جھکی پلکیں بڑی آنکھیں نشیلی اور شرمیلی — سفیدی میں ملی سرخی منور اور چمکیلی
حسین و دلربا خوبصورت اور خداِدیدہ — ابروں پر سرمہ سورۂ دروں وہ نور کا جلوہ
سیہ دیدہ میں پوشیدہ جمال حق کی تابانی — سمائے ہیں نہ جانے کتنے اس میں جلوے نورانی
وہ اونچی نرم و نازک ناک جو چہرے کی زینت ہے — نہاں ہر سانس کے اندر بہارِ کیف جنت ہے
تھے دندان مبارک آپ کے خورشید کے ذرے — شب تاریک میں تاروں سے زیادہ چمکتے تھے
سرِاقدس بڑا سب سے نمایاں گول اور اونچا — ہزاروں میں ہزاروں سے بلند و برتر و بالا
سیہ زلفوں میں پوشیدہ شبِ دیجور کا عالم — نہایت نرم چمکیلے برائے نام پیچ و خم
بھری چوڑی ہتھیلی نرم اور دست کرم لمبے — نہایت خوبصورت انگلیاں لمبی قرینے سے
سفید و صاف اور خوشبودار تھیں بغلیں — نہیں تھے بال جن میں مشک و عنبر تھیں بغلیں
برابر تھے شکم اور سینہ پرُنور دونوں ہی — تھی دونوں پنڈلیاں شفاف و روشن گول اور سیدھی
بہت ہی خوشنما تھیں انگلیاں سب پائے اقدس کی — انگوٹھے کے قریں انگلی جو تھی وہ سب سے لانبی تھی
غرض کونین میں اس جسم اطہر کا نہیں ثانی — سراپا صرف وہ تھے مظہر آیات قرآنی
کوئی ان سے حسین شے ہو تو تشبیہ اس سے دیدیں ہم — دو عالم سے نرالے جب ہیں کامل سرور عالمؐ

ابتدائے نبوت

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بُعِثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَرْبَعِيْنَ سَنَةً فَمَكَثَ بِمَكَّةَ ثَلٰثَ عَشْرَةَ سَنَةً يُوْحٰى اِلَيْهِ ثُمَّ اُمِرَ بِالْهِجْرَةِ فَهَاجَرَ عَشْرَ سِنِيْنَ وَ مَاتَ وَ هُوَ ابْنُ ثَلٰثٍ وَ سِتِّيْنَ۔

(صحیح البخاری کتاب المناقب، باب ھجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم و اصحابہ الی المدینۃ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس سال کی عمر میں منصب رسالت پر فائز کیا گیا، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ سال مکہ میں رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی رہی اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کا حکم دیا گیا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مکہ سے) ہجرت فرمائی اور دس سال مدینہ میں رہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو عمر مبارک تریسٹھ سال تھی۔''

فائدہ:

اس حدیث شریف کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب منصب رسالت پر فائز کیا گیا تو اس وقت عمر شریف چالیس سال تھی۔ لیکن اس ابتدائے وحی سے بہت پہلے ہی نبوت کے عظیم منصب کو سنبھالنے اور اس بھاری ذمہ داری کو ادا کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تیار کیا جا رہا تھا۔ نبوت کا آغاز سچے خوابوں سے ہوا جو صبح کی طرح روشن ہوتے یعنی خواب میں جو کچھ دیکھتے اسی طرح پیش آجاتا۔ اس کے بعد تنہائی کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رجحان زیادہ ہوگیا تھا۔ غور وفکر کے ساتھ اللہ کی یاد میں لگے رہتے، حرا کی تنہائیوں میں رب سے لو لگائے رہتے۔ کچھ کھانا پینا ساتھ ہوتا تھا جب وہ ختم ہوجاتا تو واپس آتے اور دوبارہ کھانے پینے کا سامان لے کر غار حرا لوٹ جاتے، (بحوالہ صحیح بخاری)۔ یہ عرصہ پانچ سال پر پھیلا ہوا ہے۔ اس غور وفکر کی طرف قرآن پاک نے سورۃ ضحٰی میں اشارہ فرمایا ہے:

﴿وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى۔﴾ (الضحٰی:٧)

یعنی (ہم نے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (تلاش حق) میں سرگرداں پایا تو ہدایت کی راہ دکھادی۔

اسی طرح کا ایک لمحہ تھا جب آپ صلی اللہ علیہ السلام حرا کی خاموش فضا میں رب سے لو لگائے ہوئے تھے کہ فضا نور سے بھر گئی۔ جبرئیل امین علیہ السلام رب حق کی طرف سے پیغام حق لے کر آگئے (بحوالہ بخاری)۔

جبرئیل علیہ السلام جو پیغام لے کر آئے اس کے الفاظ یہ تھے:

﴿اِقْرَءْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ○ الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ○﴾
(علق:۵۔۱)

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس اللہ کا نام لے کر پڑھیے جس نے کائنات کو پیدا کیا، جس نے انسان کو گوشت کے لوتھڑے سے پیدا کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رب کریم ہے، وہی ہے جس نے انسان کو قلم سے سکھایا اور جس نے انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو اسے معلوم نہ تھیں۔

یہ آیتیں ہیں تو بس چند کلمات مگر یہ معانی اور رموز کا خزانہ اپنے اندر سمیٹے ہوئی ہیں۔ ان آیتوں میں علم و مرتبہ علم کو ظاہر کیا گیا ہے۔ ان میں انسان کی زندگی کے ان مختلف مرحلوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کا تعلق اس کی تخلیق، تعلیم و رشد اور ارتقائے فہم اور ادراک سے ہے۔ انہیں میں خدائے واحد کے خالق ہونے کا ذکر ہے جس سے ہر طرح کی مخلوق پرستی، مادہ پرستی اور دہریت کا خاتمہ کر دیا گیا۔ ایک امی پر ان حکمتوں کا نزول فرما کر اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ وہ قادر مطلق چاہے تو ایک امی سے تمام عالم انسانیت کی ہدایت و اصلاح کا کام لے سکتا ہے۔

یہ آیتیں اسلام کے عالمگیر دین ہونے کی طرف بھی اشارہ فرما رہی ہیں۔ اس لیے کہ ان آیات نے نہ اہل قریش کے تعلق سے بات کی نہ اہل عرب کے تعلق سے بلکہ انسان کے تعلق سے بات شروع کی جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ کا یہ پیغام صرف ایک خاص قوم کے لیے نہیں بلکہ پورے عالم کے انسانوں کے لیے ہے۔

وحی کا واقعہ یقیناً انوکھا اور منفرد تھا اس کے ساتھ ہی ذمہ داری کا احساس بھی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر بے حد اثر تھا۔ گھر پہنچتے ہی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا:'' مجھے اپنی جان کا خوف ہے۔'' اہلیہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت پاکیزہ اخلاق اور سراپا خیر طریقہ حیات سے پوری طرح آگاہ تھیں انہوں نے تسلی دی اور فرمایا:'' ہرگز نہیں اللہ کی قسم ! اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عزیزوں اور رشتہ داروں سے حسن سلوک کرتے ہیں، کمزوروں اور بے کسوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، جن کے پاس کچھ نہیں ہوتا انہیں دیتے ہیں، مہمانوں کی تواضع کرتے ہیں، مشکلات میں حق کا ساتھ دیتے

ہیں، بات کے سچے ہیں۔'' (بحوالہ بخاری)

یہ بیوی کی گواہی ہے جس سے سچی گواہی کسی دوسرے کی ہو ہی نہیں سکتی اس لیے کہ بیوی کے سامنے شوہر کی زندگی ایک کھلی کتاب کی طرح ہوتی ہے۔ ان الفاظ میں ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے کی زندگی کا ایک مختصر لیکن انتہائی جامع نقشہ کھینچا ہے جس میں خدمت خلق کا پہلو نہایت واضح ہے۔

ایک نکتہ جو قابل غور ہے کہ اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر پہلے سے نبوت کے بلند مرتبے پر لگی ہوئی ہوتی اور پھر اس مرتبے پر پہنچ جانے کی خواہش کی تکمیل بصورت نزول وحی ہوجاتی تو کیا اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال ہوسکتا تھا؟ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو کیفیت مشاہدے میں آئی کیا وہ کیفیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر طاری ہوتی؟

اب مرحلہ تھا لوگوں تک بات پہنچانے کا۔ اس سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تدریج اور تدبیر سے کام لیا اور پہلے ان لوگوں کو دین کی دعوت دی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت قریب تھے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، چچازاد بھائی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو مکہ مکرمہ کے انتہائی معزز اور بااثر لوگوں میں سے تھے سنتے ہی ایمان لے آئے۔

پہلی وحی کے بعد کچھ عرصہ وحی کا سلسلہ رکا رہا۔ اس بندش کی حکمت کو وہ ذات حکیم و علیم ہی بہتر جانتی ہے لیکن اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر وحی کی لذت سے ایک بار پھر ہمکنار ہونے کا شوق فروزاں تھا۔ کبھی کبھار جبرئیل علیہ السلام تشریف لاتے اور دلاسا دیتے تھے۔ بہرحال جب حکمت الٰہی میں لکھی ہوئی مدت پوری ہوئی تو فرشتہ پھر پیغام الٰہی لے کر آتا ہے:

﴿یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ○ قُمْ فَاَنْذِرْ○وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ○ وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ○ وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْ○﴾ (المدثر:۵۔۱)

یعنی اے اوڑھ لپٹ کر لیٹنے والے۔ اٹھو اور خبردار کرو۔ اور اپنے رب کی بڑائیاں بیان کرو۔ اپنے کپڑوں کو پاک رکھو۔ ناپاکی کو چھوڑ دو۔

یہ آیت بھی عام ہے اس سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پورے کرہ ارض اور نوع انسانی کی نجات اور ہر فرعون اور ہر نمرود کے مقابلے کے لیے تھی اس لیے خبردار کرنے اور ڈرانے والے حکم میں کسی خاص قوم اور شخص کا نام نہیں لیا گیا بلکہ عام حکم کے طور پر فرمایا قُمْ فَاَنْذِر اٹھو اور ڈراؤ۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس حکم الٰہی کی تعمیل میں اٹھے تو تیئیس (۲۳) سال مسلسل تگ و دو کرتے رہے نہ رات دیکھی نہ دن۔ مکہ کی وادی، مدینے کی گلیاں اور طائف کا بازار ہر جگہ خبردار کیا ہر جگہ پکارا اور پیغام حق کا پرچم بلند کیا۔ ہر مصیبت ہر غم کو برداشت کیا۔ زخم اٹھائے، قربانیاں دیں، مشکلات جھیلیں، گھر بار چھوڑا لیکن اپنے فرض اور ذمہ داری کو نہ چھوڑا۔

اٹھا غار حرا سے ابر رحمت شان حق لے کر   لب پہ اِقْرَءْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَق لے کر

محمد پہ لاکھوں درود اور سلام۔

قریش کی ایذا رسانیاں

عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ قُلْتُ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَخْبِرْنِيْ بِاَشَدِّ مَا صَنَعَ الْمُشْرِكُوْنَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ بَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ بِفِنَاءِ الْكَعْبَةِ اِذْ اَقْبَلَ عُقْبَةُ بْنُ اَبِىْ مُعَيْطٍ فَاَخَذَ بِمَنْكِبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ لَوٰى ثَوْبَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ فَخَنَقَهٗ خَنْقًا شَدِيْدًا فَاَقْبَلَ اَبُوْبَكْرٍ فَاَخَذَ بِمَنْكِبِهٖ وَ دَفَعَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ قَالَ اَ تَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهِ وَ قَدْ جَاءَ كُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَّبِّكُمْ۔

(صحیح البخاری، کتاب التفسیر و کتاب الانبیاء، باب قوله و نفخ فی الصور)

حضرت عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے کہا مجھے وہ واقعہ بتایئے جس میں مشرکین مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سخت تکلیف دی ہو۔ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے صحن میں نماز پڑھ رہے تھے اس وقت عقبہ بن ابی معیط نے آتے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کندھا پکڑا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن میں کپڑا ڈال کر زور سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گلا گھونٹا، ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آ کر (اس دشمن خدا) کا کندھا پکڑا اور اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ کر کے دھکیل دیا اور فرمایا: ’’کیا تم اس آدمی کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے میرا رب اللہ ہے اور وہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس واضح نشانیاں لایا ہے۔‘‘

فائدہ:

نبوت کے ابتدائی تین سالوں میں دعوت اسلام خفیہ طور پر ہوتی رہی اسی دوران اللہ رب العزت کا حکم نازل ہوا:

﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ۔﴾ (شعراء:۲۱۴)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نزدیک ترین قرابت داروں کو (عذاب الٰہی) سے ڈرائیں۔

اس سے عام دعوت کا آغاز ہوا۔ اس کے فوراً بعد ہی ایک اور حکم نازل ہوا:

﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ۔﴾ (الحجر:۹۴)

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جو حکم ملا ہے اسے علی الاعلان بیان کر دیجیے اور مشرکین سے رخ پھیر لیجیے۔

اس حکم کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت کھلے عام دینی شروع کر دی۔ لیکن لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کی دعوت عربوں کے لیے نئی تھی۔ چنانچہ اس دعوت کی زبردست مخالفت ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین کا کام تمام کرنے کی دشمنوں نے پوری کوششیں کیں۔

ایک روایت میں آتا ہے: ’’میں اللہ کی راہ میں ڈرایا اور ستایا گیا ہوں میری طرح نہ کسی کو ڈرایا گیا ہے اور نہ ستایا گیا ہے۔ مجھ پر مسلسل تیس دن ایسے گزرے ہیں کہ اس عرصے میں میرے اور بلال کے لیے ایسی خوراک نہ تھی جسے کوئی جاندار کھا سکے سوائے اس کے جو بلال نے اپنی بغل میں چھپا رکھی تھی۔‘‘ (بحوالہ ترمذی)۔ ایک بار ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ابوجہل نے اونٹ کی اوجھڑی منگوا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک پر ڈال دی اور اس گھناؤنی حرکت پر اس کے ساتھی ہنس رہے تھے۔ (بحوالہ بخاری)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں کانٹے بچھائے جاتے تاکہ رات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں زخمی ہوں، گھر کے دروازے پر غلاظتیں پھینکی جاتیں تاکہ طبیعت پریشانی پیدا ہو۔

کفار نے صرف جسمانی اذیت ہی پر کفایت نہیں کی بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ذہنی اذیت دینے کے لیے ایک قدم اور اٹھایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں جو نبوت سے پہلے ابولہب کے دو بیٹوں کے نکاح میں تھیں، جن کی رخصتی نہیں ہوئی تھی، ان کو طلاق دلا دی گئی۔ اس کا مقصد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ذہنی اذیت سے دوچار کرنا تھا۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا چچا ان کو کھجور کی چٹائی میں لپیٹ کر دھواں دیتا تھا۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کی ماں نے گھر سے نکال دیا۔ حضرت خباب بن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کفار نے اس قدر تکلیفیں اور اذیتیں دیں کہ ان کی کمر پر اس کے نشان تاحیات رہ گئے، (بحوالہ ابن ماجہ)۔ لیکن وہ اسلام سے دستبردار نہیں ہوئے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کعبۃ اللہ میں اپنے اسلام کا اعلان کرنے پر اس قدر مارا گیا کہ جان کے لالے پڑ گئے، (بحوالہ بخاری)۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام لانے سے پہلے اپنی بہن اور بہنوئی کو رسیوں سے باندھ رکھا تھا، (بحوالہ بخاری)۔ حضرت عمار بن یاسر، ان کی والدہ سمیہ حضرت بلال، اور حضرت مقداد رضوان اللہ عنہم اجمعین کو لوہے کی زرہیں پہنا کر چلچلاتی دھوپ میں کھڑا کیا گیا۔

(بحوالہ مسند احمد)۔حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ کی راہ میں قتل کر دیا گیا لیکن جان دیتے وقت فرمارہے تھے: فَلَسْتُ اُبَالِیْ حِیْنَ اُقْتَلُ مُسْلِمًا، عَلٰی اَیِّ جَنْبٍ کَانَ لِلّٰہِ مَصْرَعِیْ، یعنی میں اسلام پر جان دوں اس کے بعد مجھے کوئی فکر نہیں کہ میں اللہ کی راہ میں کس کروٹ گرتا ہوں۔(بحوالہ بخاری)

آزمائش کی اسی بھٹی میں تپتے ہوئے ایک بار حضرت خباب بن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے چین ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں پہنچ کر کفار کے مظالم سے نجات کی دعا کی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''تم سے پہلے دعوت حق دینے والوں کا حال یہ تھا کہ زمین میں ایک گھڑا کھود کر داعی حق کو اس میں کھڑا کیا جاتا اور اس کے جسم کو آرے سے چیرا جاتا لیکن وہ دین سے نہ رکتا۔''(بحوالہ بخاری)۔

ان تمام تر مظالم اور طرح طرح کی سختیوں کے باوجود مسلمان اپنے عقیدے پر قائم رہے جو ان کی ایمانی صداقت اور اخلاص، بلندی نفس اور روحانی پاکیزگی کی دلیل ہے۔واقعہ یہ ہے کہ ان آزمائشوں اور تکلیفوں کی وجہ سے ان کے پختگی ایمان کو کوئی ٹھیس نہیں پہنچی بلکہ ان کے ضمیر کے اطمینان اور قلب میں سرور و انبساط کی کیفیت میں اضافہ ہوتا رہا۔

ایک سوال جو پیدا ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سراسر نیکی اور بھلائی کی دعوت تھی لیکن قریش نے اس کو ماننے سے انکار کر دیا۔آخر کیوں؟ ایک روایت میں آتا ہے کہ ابوجہل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا:''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ہم (یعنی قریش مکہ) تمھیں نہیں جھٹلاتے (کیونکہ) تمھاری سچ گوئی ہم پر خوب واضح ہے اور ہم نے تمہیں کبھی جھوٹ بولتے نہیں دیکھا اسی لیے تم اپنوں اور غیروں سب میں صدق و امانت کے ساتھ مشہور ہو، ہم تو اس چیز کو جھٹلاتے ہیں جو تم لے کر آئے ہو، (بحوالہ ترمذی)۔اللہ کو تو قریش بھی مانتے تھے اور ایک مانتے تھے تو پھر وہ کس چیز کو جھٹلاتے تھے؟ اصل بات یہ تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو دعوت لے کر آئے تھے اس کی بنیاد توحید خالص پر تھی یعنی اللہ اپنی ذات میں بھی تنہا ہے اور اپنی صفات میں بھی۔چنانچہ دنیا و آخرت میں وہی بااختیار اور قدرت والا ہے۔اس کے برخلاف قریش بتوں کو حاجت روا اور اللہ تک پہنچنے کا واسطہ اور وسیلہ مانتے تھے۔قرآن پاک نے ان کی اس بات کی طرف اس طرح اشارہ فرمایا ہے:

﴿مَا نَعْبُدُھُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَا اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی۔﴾ (زمر:۳)

ہم ان کو اس لیے پوجتے ہیں کہ ہم کو اللہ کے قریب کر دیں۔

یعنی وہ اللہ کی ذات میں نہیں اس کی صفات میں شرک کرتے تھے۔یہی شرک فی الصفات ہی ان کی مذہبی سرداری کا بنیادی سبب تھا۔کعبۃ اللہ کی حیثیت اس وقت اعزازی تھی۔اسی مذہبی سرداری کے باعث بہت سی مشرکانہ رسموں کے انجام دینے والے تنہا وہی تھے۔سارے عرب کی نذریں انہیں کو پہنچتی تھیں۔جو ان کے لیے بہت بڑا ذریعہ آمدنی تھا۔اسی مذہبی چودھراہٹ کی وجہ سے اقتصادی اور کاروباری طور پر بھی ان کو برتری حاصل تھی۔اس کے ساتھ ساتھ ان کا اخلاقی بگاڑ بھی بام عروج پر تھا۔اسلام قبول کرنے کی صورت میں یہ سب کچھ چھوڑنا پڑتا جو ان کے لیے قابل قبول نہ تھا۔مفادات اور تعصّبات نے ان کو ہدایت کے چمکتے سورج کا انکار کرنے پر مجبور کر دیا اور انہوں نے جانتے بوجھتے حق سے انکار کر دیا۔اور اس حق و صداقت کو روکنے کے لیے اپنی پوری قوت صرف کر دی۔دھونس، دھمکی، ظلم، جبر، جھوٹا پروپیگنڈہ ہر حربہ اس دعوت کو روکنے کے لیے انہوں نے استعمال کر ڈالا۔لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم سیسہ پلائی دیوار کی طرح ڈٹ گئے۔کسی قسم کا ظلم و جبر ان کو اپنے رب سے کیے ہوئے عہد و پیمان سے نہ ہٹا سکا۔یہاں تک کہ مٹانے والے مٹ گئے اور آج تاریخ میں ان کا نام جہالت اور ظلم کی علامت بن کر رہ گیا اور حق کی راہ پر چلنے والے دنیا میں بھی سرفراز ہوئے اور آخرت تو ہے ہی انہی کے لیے۔اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس مبارک گروہ میں شامل فرمائے۔آمین۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت

قَالَ عَبُدُاللّٰہِ بُنِ زَیُدٍ وَ اَبُوھُرَیُرَۃَ رَضِی اللّٰہُ عَنُھُمَا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیُہِ وَسَلَّمَ:لَو لَا الُھِجُرَۃَ لَکُنُتُ امُرَأً مِنَ الاَنُصَارِ وَ قَالَ اَبُومُوسَی عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیُہِ وَسَلَّمَ:رَأَیُتُ فِی الُمَنَامِ اَنِّی اُھَاجِرُ مِنُ مَکَّۃَ اِلَی اَرُضٍ بِھَا نَخُلٌ، فَذَھَبَ وَھَلِی اِلَی اِنَّھَا الُیَمَامَۃُ اَوُ ھَجَرُ فَاِذَا ھِیَ الُمَدِیُنَۃُ یَثُرِبُ۔

(صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب ھجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم و اصحابہ الی المدینۃ)

حضرت عبداللہ بن زید اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار کا ایک فرد بن کر رہنا پسند کرتا اور ابوموسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''میں نے خواب دیکھ کہ میں مکہ سے ایک ایسی سرزمین کی طرف ہجرت کر کے جا رہا ہوں کہ جہاں کھجور کے باغات ہیں، میرا ذہن اس سے یمامہ یا ہجر کی طرف گیا لیکن یہ سرزمین تو شہر یثرب کی تھی۔

فائدہ:

اللہ کے فضل سے جب مدینہ میں اسلام پھیل گیا اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت اور حمایت پر بیعت کر لی تو مسلمانوں نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت شروع کر دی اور دو ماہ کے بعد مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر، حضرت علی رضی اللہ عنہما اور چند مجبور مسلمان باقی رہ گئے تھے۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ساز وسامان تیار کر کے حکم الٰہی کا انتظار فرما رہے تھے۔عین اس وقت جب مشرکین مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا فیصلہ کیا اسی وقت جبریل امین علیہ السلام ہجرت کا حکم لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوراً صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور انہیں بھی اس حکم سے آگاہ فرمایا۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:''کیا مجھے رفاقت کا شرف حاصل ہو سکے گا؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں۔''، (بحوالہ بخاری)۔ چنانچہ اسی رات ہجرت کے سفر کا آغاز ہوا۔قریش نے بھی اسی رات کاشانہ اقدس کا گھیراؤ کیا تا کہ اپنے مکروہ منصوبے پر عمل کر سکیں لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عین ان کے درمیان سے نکل گئے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھ سکے۔اپنے عزیز دوست کے ساتھ اس سفر کے پہلے پڑاؤ غار ثور پر پہنچے جہاں یہ سورج اور چاند پوشیدہ ہو گئے۔ان دونوں حضرات نے یہاں تین راتیں گزاریں۔اس دوران قریش نے بھی تلاش کے لیے ہر طرف لوگ دوڑائے۔ایک ٹولی غار کے منہ تک پہنچ بھی گئی جن کو دیکھ کر ابوبکر فکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں پریشان ہو گئے لیکن سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''خاموش رہو! ہم ایسے دو ہیں جن کا تیسرا اللہ ہے۔''، (بحوالہ بخاری)۔ چوتھے دن آپ غار سے نکلے۔اب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام اور صحرائی راستوں کا ایک ماہر جس کے ذمے تھا کہ محفوظ راستے سے اس قافلے کو مدینہ منورہ پہنچائے گا وہ بھی ان کے ساتھ ہو گئے، (بحوالہ بخاری)۔راستے میں میں سراقہ بن مالک کا سامنا ہوا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلا ہوا تھا تا کہ آپ کو پکڑ کر قریش کے اعلان کردہ انعام کو حاصل کر سکے لیکن اس کے گھوڑے کے پیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے سے پہلے ہی زمین میں دھنس گئے۔جس سے وہ اس کام سے رک گیا اور آپ سے پروانہ امن لے کر واپس چلا گیا، (بحوالہ بخاری)۔آٹھویں دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبا پہنچے جب نبوت کا تیرہواں سال پورا ہو رہا تھا۔ادھر مدینے والوں کو آپ کے سفر کی اطلاع ہو چکی تھی اور وہ بڑی بے تابی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا روزانہ انتظار کرتے تھے۔ایک دن جب وہ انتظار کر کے اپنے گھروں کو جا چکے تھے کہ ایک یہودی جو کسی ٹیلے پر چڑھا ہوا تھا اس نے رخ اقدس کو دیکھا اور پکارا:''عرب کے لوگو! تمہیں جس کا انتظار تھا وہ آ گیا'' یہ سنتے ہی مسلمان استقبال کے لیے امڈ پڑے، (بحوالہ بخاری)۔یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسجد کی بنیاد رکھی۔چند دن قیام کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی طرف چل پڑے۔راستے میں جمعہ کی نماز ادا کی جو اسلام میں پہلا جمعہ تھا اور مدینہ پہنچے۔اسی دن سے اس شہر کا نام یَثُرِبُ سے مدینۃ الرسول ہو گیا۔ہر طرف مسرت کا سماں تھا۔مرد عورت، بچے بوڑھے زیارت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سراپا چشم بن گئے تھے۔انصار کی بچیاں یہ اشعار بہت پیارے لہجے میں پڑھ رہی تھیں:

طَلَعَ الُبَدُرُ عَلَیُنَا مِنُ ثَنِیَّاتِ الُوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّکُرُ عَلَیُنَا مَا دَعَا لِلّٰہِ دَاع
اَیُّھَا الُمَبُعُوثُ فِیُنَا جِئُتَ بِالاَمُرِ الُمُطَاعِ

ان اشعار کا ترجمہ یہ ہے: چودھویں کا چاند ہم پر ظاہر ہو گیا ہے، کوہ وداع کے موڑوں سے، ہم پر شکر واجب ہے (اس خیر کا)، جس (کی طرف) بلانے والا بلاتا ہے، اے بھیجے جانے والے ہماری طرف، تیری اتباع ہم پر لازم ہے۔ہمیں بھی ان اشعار کو یاد کر لینا چاہیے کہ یہ ایک بہترین اظہار محبت ہے۔

رفیق اعلیٰ کی جانب

عَنْ اَبِی سَعِیْدِ الْخُدْرِیّ قَالَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَلَسَ عَلَی الْمِنْبَرِ فَقَالَ اِنَّ عَبْدًا خَیَّرَہُ اللّٰہُ بَیْنَ اَنْ یُؤْتِیَہٗ مِنْ زَھْرَۃِ الدُّنْیَا مَاشَآءَ وَ بَیْنَ مَاعِنْدَہٗ فَاخْتَارَ مَا عِنْدَہٗ فَبَکٰی اَبُوْبَکْرٍ قَالَ فَدَیْنَاکَ بِآبَائِنَا وَ اُمَّھَاتِنَا فَعَجِبْنَا لِبُکَائِہٖ فَقَالَ النَّاسُ اُنْظُرُوْااِلٰی ھٰذَا الشَّیْخِ یُخْبِرُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ عَبْدٍ خَیَّرَہُ اللّٰہُ بَیْنَ اَنْ یُّوتِیَہٖ مِنْ زَھْرَۃِ الدُّنْیَا وَبَیْنَ مَاعِنْدَہٗ وَھُوَ یَقُوْلُ فَدَیْنَاکَ بِاٰبَائِنَا وَاُمَّھَاتِنَا فَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھُوَ الْمُخَیَّرَ وَکَانَ اَبُوْ بَکْرٍ اَعْلَمَنَا۔

(صحیح البخاری, کتاب المناقب، باب هجرة النبی صلی الله علیه وسلم)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم (مرض وفات کے ایام میں ایک دن) منبر پر تشریف فرما ہوئے اور (ہمیں خطاب کرتے ہوئے) فرمایا:''اللہ تعالیٰ نے ایک بندہ کو دو چیزوں کے درمیان اختیار دے دیا ہے کہ چاہے تو وہ اس دنیا کی بہار کا انتخاب کرلے جو اللہ دینا چاہے (یا جو خود بندہ لینا چاہے) اور چاہے اس چیز کا انتخاب کرلے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہیں۔ پس اس (بندے) نے اس (اللہ کی نعمتوں اور آخرت کے اجر و ثواب) کا انتخاب کرلیا ہے۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ (رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر) ایک دم رو پڑے اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! (اگر ہماری جانوں کا نذرانہ کچھ کارگر ہو سکے تو) ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں، ہمارے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہو جائیں۔ہم لوگوں (یعنی وہاں موجود صحابہ) کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رونے پر ہم لوگوں کو تعجب ہوا چنانچہ کچھ لوگوں نے تو (آپس میں ایک دوسرے سے) یہ بھی کہا کہ ذرا ان بڑے میاں کو تو دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو کسی بندے کا حال بیان فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو دونوں چیزوں کا اختیار دے دیا ہے کہ چاہے دنیا کی آسائش کا انتخاب کرلے اور چاہے اللہ کے ہاں کی نعمتوں کا، اور یہ بزرگ کہہ رہے ہیں کہ (یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!) ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں، ہمارے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہو جائیں۔ (لیکن بعد میں ہم پر یہ بھید کھلا کہ) جس بندہ کو اختیار دیا گیا تھا وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے۔(اور ایک بندہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد خود اپنی ذات مبارک تھی) بلاشبہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہم تمام لوگوں میں سب سے زیادہ دانا تھے۔''

فائدہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا مقصد تبلیغ اسلام، تزکیہ اور تکمیل دین و شریعت تھا۔ جب تیئس سال کی مسلسل محنت کے بعد اللہ کی زمین پر اللہ کا کلمہ بلند ہو گیا اور اس کا ظہور خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دیکھ لیا تو آسمان سے بھی ندا آ گئی: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ یعنی آج کے دن میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں۔ گویا جبل صفا سے شروع ہونے والا سفر جبل رحمت پر اختتام پذیر ہوا اور مسافر کے اپنے گھر لوٹنے کا وقت آ پہنچا۔ وصال سے چھ ماہ پہلے اللہ رب العزت کی طرف سے وحی آئی:

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ وَ رَأَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِکَ وَاسْتَغْفِرْہُ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا۔

جب اللہ کی مدد آ پہنچی اور فتح حاصل ہو گئی، اور تم نے دیکھ لیا کہ لوگ غول کے غول اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں، تو اپنے رب کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرو اور اس سے مغفرت مانگو، بے شک وہ معاف کرنے والا ہے۔

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ گئے کہ یہ آخرت کی طرف کوچ کی اطلاع ہے۔بعض اکابر صحابہ بھی اس اشارے کو سمجھ گئے (بحوالہ بخاری)۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو یہ اطلاع دینا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک مقام اور مرتبے کی بات تھی۔ وہ مقام و مرتبہ یہ تھا کہ اللہ کے نزدیک آپ کو اس دنیا میں بھیجنے کا مقصد اسلام کی دعوت تھی اور جس لمحے یہ مہم اختتام کو پہنچی فوراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی طرف بلا لیا۔ یہ اس طرف بھی اشارہ ہے کہ رسول کی ذات سراسر حکم الٰہی کی پابند ہوتی ہے جس کی ہر سانس اللہ کی ہدایت کے ماتحت ہوتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام زندگی عبادات اور تسبیح و تہلیل سے معمور تھی لیکن قرب وصال کی خبر سن اب ان میں اور اضافہ ہو گیا۔ رمضان میں آپ کا معمول دس دن کا اعتکاف تھا لیکن جس سال وفات ہوئی اس رمضان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا (بحوالہ بخاری)۔اسی طرح ہر سال رمضان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم جبرئیل علیہ السلام سے قرآن مجید ایک دفعہ سنتے تھے لیکن وفات والے سال دو بار سنا (بحوالہ بخاری)۔شہدائے احد پر نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی تھی۔ وصال سے کچھ دن پہلے ماہ صفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم احد تشریف لے گئے اور شہدائے احد پر اسی طرح نماز پڑھی جس طرح میت پر پڑھی جاتی ہے اور ان سے اس طرح رخصت ہوئے جس طرح جانے والا اپنے عزیزوں سے رخصت ہوتا ہے۔اس کے بعد آپ منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور

ارشاد فرمایا: ''لوگو میں تم سے آگے جانے والا ہوں اور تمہارے لیے شہادت دینے والا ہوں۔ بخدا میں اپنے حوض کو یہاں سے دیکھ رہا ہوں۔ مجھے زمین و آسمان کی کنجیاں عطا کی گئی ہیں مجھے یہ ڈر نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرو گے مگر اندیشہ ہے کہ کہیں دنیا طلبی میں ایک دوسرے میں باہم مقابلہ کرنے لگ جاؤ''۔ (بحوالہ بخاری)۔ اسی دوران ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنت البقیع کے قبرستان میں تشریف لے گئے اور اہل بقیع کے لیے دعائے مغفرت فرمائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری علالت کس تاریخ سے شروع ہوئی اس میں اختلاف ہے۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ اس کا آغاز اس وقت ہوا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازے سے واپس آرہے تھے۔ راستے ہی میں درد سر شروع ہوگیا۔ جس کے بعد تیز بخار ہوگیا۔ اس کے بعد مرض کی شدت میں اضافہ ہوتا گیا اس دوران ازواج مطہرات کے ہاں باری باری قیام کے معمول میں فرق نہ آیا۔ اپنی حیات طیبہ کا آخری ہفتہ تمام ازواج کی اجازت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں گزارا۔ وفات سے چار دن پہلے تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیماری کی حالت میں نماز کی امامت فرماتے رہے۔ لیکن اس روز عشا کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد جانے کا تین بار ارادہ فرمایا لیکن ہر بار غشی طاری ہوتی رہی۔ آخر حکم فرمایا کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز پڑھائیں۔ جس کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کئی روز نماز پڑھائی۔ شدت مرض کے ایام میں ایک روز ظہر کی نماز کے وقت کچھ افاقہ ہوا تو آپ نے غسل فرمایا اور حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے سہارے مسجد تشریف لائے اور نماز ادا فرمائی۔ اس کے بعد ایک خطبہ دیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کا آخری خطبہ تھا۔ اس میں آپ کی وصیتوں میں سے ایک بات یہ تھی کہ ''میں انصار کے ساتھ بھلائی کی وصیت کرتا ہوں۔ عام مسلمان بڑھتے جائیں گے لیکن انصار کم ہو کر رہ جائیں گے جیسے کھانے میں نمک۔ وہ اپنی طرف سے اپنا فرض ادا کر چکے اب تمہیں ان کا فرض ادا کرنا ہے۔ جو تمہارے معاملات کا ذمہ دار ہو اس کو چاہیے کہ ان میں جو نیک ہوں ان کو قبول کرے اور جن سے خطا ہوئی ہے ان کو معاف کرے''۔ (بحوالہ بخاری)۔ اسی دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو بدلے کے لیے پیش کیا کہ جس شخص کو میری ذات سے کوئی جسمانی اور مالی ناگواری ہوئی ہو تو وہ اس کا بدلہ لے لے۔ صرف ایک شخص نے چند درہم کا مطالبہ کیا جو اس سے کسی مانگنے والے کو دینے کے لیے لئے گئے تھے۔ اس کا حق ادا کر دیا گیا۔

وصال سے ایک روز پہلے سب غلاموں کو آزاد فرما دیا۔ گھر میں نقد سات دینار موجود تھے وہ غریبوں میں تقسیم فرما دیئے۔ اپنے ہتھیار مسلمانوں کے لیے ہبہ فرما دیئے۔ زرہ نبوی ایک یہودی کے پاس تیس صاع جو کے بدلے رہن رکھی ہوئی تھی۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مرض کا حملہ شدت سے ہوا تو اپنی چادر منہ پر ڈال لیتے جب سانس رکنے لگتی تو چادر منہ سے ہٹا دیتے اسی کیفیت میں فرمایا: ''اللہ یہود و نصاریٰ کو غارت کرے کہ انہوں نے اپنے انبیا کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا، (مقصد یہ تھا) کہ مسلمان ایسا نہ کریں۔'' ایک روایت میں آتا ہے کہ وصال کے وقت آپ کی وصیت نماز، زکوۃ اور غلاموں کے بارے میں تھی۔ (بحوالہ ابن ماجہ)

مرض میں کمی بیشی ہوتی رہی جس دن وفات ہوئی وہ پیر کا دن تھا اور طبیعت بظاہر پرسکون تھی۔ مسلمان ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امامت میں نماز فجر ادا کر رہے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرے کا پردہ ہٹایا اور یہ منظر دیکھ کر تبسم فرمایا۔ مسلمان بھی خوشی سے بے قابو ہوگئے قریب تھا کہ نماز توڑ دیں۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ گرا لیا۔ یہ جمال اقدس کا آخری نظارہ تھا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا۔ (بحوالہ بخاری)۔ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی دوسری نماز کا وقت نہیں آیا۔ جیسے جیسے دن چڑھتا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف میں اضافہ ہوتا گیا۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کان میں چپکے سے اپنے وصال کی خبر دی اور ساتھ ہی یہ بھی بتلا دیا کہ سب سے پہلے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی دار خلد میں آپ سے ملیں گی۔ (بحوالہ بخاری) جب وقت موعود قریب ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر یہ الفاظ تھے: ''الٰہی مجھ کو ان لوگوں میں شامل فرما جن پر تو نے اپنا فضل و انعام کیا ہے کہ وہ انبیا، صدیقین، شہدا اور صالحین ہیں۔''۔ (بخاری و مسلم)

جب نزع کی حالت طاری ہوئی اس وقت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سہارا دیے ہوئے تھیں۔ پانی کا پیالہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے رکھا ہوا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیالے میں ہاتھ ڈالتے اور چہرہ مبارک پر پھیر لیتے۔ زبان مبارک سے فرماتے تھے۔ **لا الہ الا اللہ ان للموت سکرات** یعنی اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، موت میں سختی ہوا ہی کرتی ہے۔ پھر دست مبارک کو بلند فرمایا اور زبان اطہر سے فرمایا: **اللھم الرفیق الاعلیٰ** یعنی الٰہی میں سب سے بڑے رفیق کو اختیار کر چکا'' یہی فرما رہے تھے کہ روح جسد پاک سے اللہ پاک کی طرف پرواز کر گئی۔ **انا للہ و انا الیہ راجعون**۔ ربیع الاول ۱۱ھ پیر کا دن تھا اور سورج ڈھلنے کے بعد کا وقت تھا۔ عمر مبارک تریسٹھ سال کے قریب تھی۔ **صلی اللہ علیہ وسلم۔**

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد

عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمَّا ثَقُلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جعَلَ یَتَغَشَّاہُ فَقَالَتْ فَاطِمَۃُ وَا کَرُبَ اَبَاہُ فَقَالَ لَھَا لَیْسَ عَلَیْکَ اَبِیْکَ کَرُبٌ بَعْدَ الْیَوْمِ فَلَمَّا مَاتَ قَالَتْ یَا اَبَتَاہُ اَجَابَ رَبًّا دَعَاہُ یَا اَبَتَاہُ مِنْ جَنَّۃِ الْفِرْدَوْسِ مَاوَاہُ یَا اَبَتَاہُ اِلَی جِبْرِیلَ نَنْعَاہُ۔ فَلَمَّا دُفِنَ قَالَتْ فَاطِمَۃُ یَا اَنَسُ اَطَابَتْ اَنْفُسُکُمْ اَن تَحْثُوْا عَلَی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ التُّرَابَ۔

(صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی صلی الله علیه وسلم و وفاته)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب وفات کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (بر شدت مرض سے بار بار) غشی طاری ہونے لگی تو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (بیتاب ہوکر) کہنے لگیں: ''ہائے میرے ابا جان کو کیسی تکلیف نے گھیرا ہے۔'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سن کر) فرمایا: ''آج کے دن کے بعد پھر تمہارے بابا جان پر کوئی سختی نہ گھیرے گی۔'' پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے منہ سے یہ الفاظ نکلے: ''اے میرے ابا! اللہ نے آپ کو اپنے پاس بلا لیا اور آپ اس دعوت کو قبول کر کے اپنے پروردگار کے پاس چلے گئے۔ اے میرے بابا! اے وہ مقدس ذات جنت الفردوس جس کی منزل ہے۔ اے میرے ابا ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر جبرئیل علیہ السلام کو پہنچاتے ہیں۔'' بعد میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین ہو چکی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (بے اختیار ہوکر) کہنے لگیں: ''اے انس! تم لوگوں نے آخر یہ کیسے گوارا کر لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سپرد خاک کردو؟''

فائدہ:

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جس دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان (مدینہ منورہ) تشریف لائے تو مدینہ کی ہر چیز پر نور پھیل گیا اور جب وہ دن آیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو ہر چیز غم کی تاریکی میں ڈوب گئی۔ (بحوالہ ترمذی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے ایک حیران کردینے والا واقعہ تھا۔ انہیں یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو ان کی زندگیوں کو محور و مرکز تھے وہ اپنے رفیق اعلی کی طرف جا چکے ہیں۔ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ ماننے ہی کے لیے تیار نہیں تھے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے کوچ فرما چکے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ بتاتی ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھ کر کہنے لگے کہ اللہ کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات نہیں ہوئی بلکہ وہ واپس آئیں گے اور ان لوگوں کو سخت سزا دیں گے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی باتیں کر رہے ہیں۔ (بحوالہ بخاری)۔ سب کے ہوش و حواس اڑ گئے۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا ہوگا۔

اس انتہائی نازک وقت میں انتہائی رقت قلب اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی انتہائی محبت کے باوجود حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عزم و استقامت چٹان بنے رہے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کاشانہ رسول میں داخل ہوئے۔ جسم اطہر دیکھا، پیشانی کو چوما، آنسو بہائے پھر کہا: ''میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ زندگی میں بھی پاکیزہ تھے اور وفات کے بعد بھی۔ بخدا اللہ تعالیٰ آپ کو دو موتیں ہرگز نہ دے گا۔ یہی ایک موت تھی جو آپ پر لکھی ہوئی تھی۔''، (بحوالہ بخاری)۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے بعد مسجد نبوی میں آئے منبر پر جلوہ افروز ہوئے۔ حمد و صلوٰۃ کے بعد کہا: ''جو کوئی تم میں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا تو وہ تو وفات پا گئے اور جو کوئی اللہ کی عبادت کرتا تھا تو بے شک اللہ تعالیٰ زندہ ہے اسے موت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا تھا:

﴿اِنَّکَ مَیِّت وَ اِنَّھُم مَیِّتُوْنَ﴾ (زمر: ۳۰)

بے شک خود آپ بھی وفات پانے والے ہیں اور یہ سب بھی مرنے والے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِکُمْ وَمَنْ یَّنْقَلِبْ عَلٰی عَقِبَیْهِ فَلَنْ یَّضُرَّ اللّٰهَ شَیْئًا وَ سَیَجْزِی اللّٰهُ الشّٰکِرِیْنَ﴾ (آل عمر: ۱۴۴)

محمد تو ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے بھی رسول ہو چکے۔ کیا اگر وہ فوت ہو گئے یا شہید ہو گئے تو تم (راہ حق سے) الٹے پاؤں پھر جاؤ گے۔ جو کوئی ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا اور اللہ تعالیٰ تو شکر گزاروں کو اچھا بدلہ دینے والا ہے۔'' (بحوالہ بخاری)۔

اس خطاب سے لوگوں کو ڈھارس بندھی اور ان کے ہوش بحال ہوئے۔ اب تمام حضرات تجہیز و تکفین کے طرف متوجہ ہوئے۔ اس موقع پر صحابہ کرام میں اس

بات پر اختلاف رائے تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبر اطہر کس مقام پر بنائی جائے۔اس موقع پر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ نبی کی تدفین اسی مقام پر ہوتی ہے جہاں اس کی وفات ہوتی ہے۔ (بحوالہ ترمذی)۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ مبارک میں جہاں آپ کا وصال ہوا تھا قبر تیار کی گئی اور تدفین عمل میں آئی۔

غسل دینے والوں میں حضرت علی، حضرت فضیل بن عباس اور اسامہ بن زید رضی اللہ تعالی عنہم شامل تھے۔ انہی حضرات نے جسم اطہر کو قبر مبارک میں اتارا۔(ابو داؤد)۔کفن مبارک تین چادروں پر مشتمل تھا اس میں عمامہ اور کرتا نہیں تھا۔ (بحوالہ بخاری)

نیز اس بات میں بھی اختلاف تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر صندوقی ہو یا بغلی۔مدینہ منورہ میں حضرت ابوعبیدہ جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ صندوقی قبر کھودنے کے ماہر تھے اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بغلی قبر کھودنے کے ماہر تھے۔اس اختلاف کو سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یوں حل کیا کہ دونوں حضرات کو بلانے کے لیے آدمی بھیجے جائیں اور جو پہلے آجائے اسی کو قبر کھودنے کے لیے کہا جائے۔ اتفاق سے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالی عنہ گھر پر موجود نہ تھے چنانچہ یہ سعادت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصے میں آئی۔ (بحوالہ ابن ماجہ)

آپ صلی اللہ علی وسلم کی نماز جنازہ باجماعت ادا نہیں کی گئی اور نہ کسی نے امامت کی بلکہ یہ صورت اختیار کی گئی کہ جسد پاک کو نہلا کفنا کر حجرہ مبارک میں رکھ دیا گیا تھا۔لوگ ٹولیوں کی شکل میں آتے اور نماز جنازہ پڑھ کر باہر نکل جاتے۔ یہ سلسلہ شب و روز جاری رہا۔(بحوالہ ابن ماجہ)،اسی لیے تدفین مبارک منگل کی شب یعنی وصال کے تقریبا ۳۲ گھنٹے کے بعد عمل میں آئی۔**اللھم صلی علی محمد و علی آلہ و اصحابہ دائما ابدا۔**

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بنیادی تعلیمات

عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِمَكَّةَ يَعْنِىْ فِىْ اَوَّلِ النُّبُوَّةِ فَقُلْتُ مَا اَنْتَ؟ قَالَ نَبِيٌّ فَقُلْتُ وَمَا نَبِيٌّ ؟قَالَ اَرْسَلَنِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى فَقُلْتُ بِاَيِّ شَيْءٍ اَرْسَلَكَ؟ قَالَ اَرْسَلَنِىْ بِصِلَةِ الْاَرْحَامِ وَكَسْرِ الْاَوْثَانِ وَاَنْ يُوَحَّدَ اللّٰهُ لَايُشْرَكُ بِهٖ شَىْءٌ.

(صحيح مسلم، كتاب الصلوٰة المسافرين و قصرها، باب إسلام عمرو بن عبسه)

حضرت عمر بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ابتدائی زمانہ میں گیا۔ میں نے پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نبی ہوں۔ میں نے کہا نبی کیا ہوتا ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول (سفیر) بنا کر بھیجا ہے۔ میں نے پوچھا کہ کیا پیغام دے کر اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ نے اس غرض سے بھیجا ہے کہ میں لوگوں کو صلہ رحمی کی تعلیم دوں، بت پرستی ختم کر دی جائے، اللہ تعالیٰ کی توحید اختیار کی جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے۔

فائدہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کام کے مقابلے میں میسر وسائل کو دیکھیں تو کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ لیکن کامیابی اور کامرانی بھی ایسی کہ تاریخ میں اس جیسی دوسری کوئی مثال نہیں ہے اور وہ بھی عین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں لوگوں کو فوج در فوج اسلام قبول کرتے دیکھ لیا۔ اور اسلام جزیرہ عرب سے نکل کر نئے آفاق اور نئی منزلوں کی طرف گامزن ہوگیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس برس کی مختصر مدت میں ایک نئے مذہب، ایک نئی تہذیب، ایک نئے تمدن اور ایک نئے نظریہ حیات کی نہ صرف بنیاد رکھی بلکہ ایک جماعت اور قوم بھی تیار کی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا عملی نمونہ تھی۔ جو ایسی ایمانی قوت کی حامل تھی جو دین کی خاطر تمام قربانیاں ہنسی خوشی برداشت کرتی تھی۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ۔

محمد کی محبت میں ہزاروں ظلم سہتے تھے   خدا پر تھی نظر ان کی زباں سے کچھ نہ کہتے تھے

۱ھ میں مدینہ منورہ کے ایک مختصر قطعہ زمین پر مشتمل جو ریاست نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت یعنی ۱۱ھ میں اس کی وسعت ۱۰ لاکھ مربع میل تک پھیل چکی تھی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے پندرہ سالوں میں اسلام کا پرچم ایشیا، یورپ اور افریقہ میں لہرا رہا تھا۔ ان سب کارناموں کے انجام دینے والے عرب کے وہ بدو تھے جو کبھی کسی شمار و گنتی میں نہ تھے۔ اور ان سب کے پیچھے جو ذات اور جس کی تعلیمات کام کر رہی تھیں وہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی بنیاد دراصل دو اہم پہلو ہیں جن کا ذکر حدیث پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمادیا ہے۔ یعنی ایک وحدت الٰہی یعنی توحید، دوسری وحدت بنی آدم یعنی رحمت عامہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم کی ایک جھلک ہمیں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ایرانی سپہ سالار کی باہمی گفتگو سے بھی ملتی ہے۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایرانی سپہ سالار کی غلط فہمی کو دور کرتے ہوئے کہا کہ: ہمارے دین کی بنیاد اور مرکزی نقطہ جس کے بغیر اس دین کا کوئی جز اچھی حالت میں نہیں رہ سکتا یہ ہے کہ آدمی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں (یعنی توحید) اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں (یعنی رسالت) اور یہ کہ اللہ کی طرف سے آئے ہوئے قانون (قرآن) کو بحیثیت دستورزندگی اپنائے۔ ایرانی سپہ سالار نے کہا یہ تو بہت اچھی تعلیم ہے۔ کیا اس دین کی کچھ اور بھی تعلیم ہے۔۔ حضرت مغیرہ نے کہا: ہاں اس دین کی تعلیم یہ بھی ہے کہ انسان کو انسان کی بندگی سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی بندگی میں داخل کیا جائے۔ ایرانی سپہ سالار نے کہا یہ بھی اچھی تعلیم ہے کیا اور بھی کچھ یہ دین کہتا ہے۔۔ حضرت مغیرہ نے فرمایا: اس دین کی تعلیم یہ بھی ہے کہ تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور سب آپس میں حقیقی بھائی ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اتنی ہمہ گیر اور اتنی مکمل ہے کہ زندگی کا کوئی شعبہ اس کے اثر سے خالی نہیں۔ عقائد، اعمال، معاملات، معاشرت اور اخلاقیات کے نئے پیمانے اور نئے زاویے قائم ہوئے۔ زندگی کا رخ بدل گیا۔ یہ ایسا تابدار اور پائیدار تمدن ہے جو صدیاں گزر گئیں لیکن اپنے اوصاف میں اسی طرح قائم و دائم ہے۔ آج بھی اس دور فساد میں جہاں بھی خیر و بھلائی کی کوئی رمق موجود ہے اس کے سرے پر صرف اور صرف ایک ذات نظر آتی ہے وہ ہے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی، **فداہ امی و ابی!** اور ہمیں پورا یقین ہے کہ آج کے عالمی سطح پر پھیلے ہوئے بحران سے دنیا کی نجات کا واحد ذریعہ تعلیمات محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہی میں ہے۔ آیئے دیکھیں اس نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کو کیا کچھ دیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا بنیادی نکتہ دعوت توحید ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کا جو تصور دیا وہ ان تمام تصورات سے ہٹ کر ہے جو آپ

صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے موجود تھے اور آج بھی کسی نہ کسی درجے میں موجود ہیں۔ آپ نے بتایا کہ اللہ نہ صرف اپنی ذات میں یکتا اور تنہا بلکہ اپنی صفات میں بھی یکتا اور تنہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا: لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ۔ (الشوریٰ:۱۱) یعنی اس کے مثل کوئی چیز نہیں۔ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ۔ (اخلاص:۳) نہ اس سے کوئی پیدا ہوا نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔ فرما کر یہ بتا دیا کہ نہ کوئی اس کی ذات میں اس کا مثل ہے اور فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی (بنی اسرائیل:۱۱۰) یعنی سب اس کے اچھے نام اس کی صفتیں ہیں، فرما کر واضح کر دیا کہ اس کی صفات میں بھی کوئی اس جیسا نہیں ہے۔ یہ ذات وصفات ہی کی تفریق ہے جو انسان کو شرک و بت پرستی کی راہ پر لے جاتی ہے۔ ذات وصفات کے اس فرق کو مٹا کر شرک و بت پرستی کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاتمہ فرما دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا ایک دوسرا اہم پہلو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بندے کا تعلق اپنے رب سے جوڑ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بندوں کو بندوں کی عبدیت سے نکال کر اللہ کی عبدیت میں داخل کر دیا۔ جب ذات وصفات کی رنگا رنگی ختم ہوگئی تو خود بخود انسان کا رابطہ براہ راست اپنے رب سے قائم ہوگیا۔ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ۔ (مومن:۶۰) اے لوگو! مجھے پکارو میں تم کو جواب دوں گا۔ کے ذریعے اس راہ کو بند کر دیا جو مذہب کے نام پر انسان کو انسان کا بے دام غلام بنا دیتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا تیسرا اہم پہلو انسان کی عظمت اور تمام مخلوقات پر اس کی برتری کا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے انسان پر یہ راز کھلا کہ وہ اس زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے۔ سورۃ بقرۃ آیت ۳۰ میں اللہ رب العزت نے فرمایا:

﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً۔﴾

(یاد کرو) جب تمھارے رب نے فرشتوں سے کہا تھا کہ میں زمین میں اپنا ایک نائب بنانے والا ہوں۔

﴿هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ۔﴾ (فاطر:۳۹)

اسی (اللہ) نے تم کو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا ہے۔

اور جب اس انسان کا اس کائنات کے خالق و مالک سے اتنا گہرا تعلق ہے تو اس کا سر سوائے ایک اللہ کے کسی کے آگے کیسے جھک سکتا ہے؟ کوئی اور کس طرح اس کی امیدوں کا مرکز بن سکتا ہے؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا چوتھا نمایاں پہلو انسانی مساوات کا پیغام ہے۔ الناس من آدم و آدم من تراب تمام انسان آدم کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے بنے ہیں فرما کر رنگ ونسل، حسب ونسب، شکل وصورت کی تمام مصنوعی برتریوں کا خاتمہ کر دیا۔ عظمت و بزرگی کا پیمانہ صرف اور صرف تقویٰ کو بنا کر انسانوں کے درمیان ظاہری اور غیر اختیاری فرق کو مٹا دیا۔ حبشہ کا بلال اور عرب کا عمر ایک ہی مقام پر ہیں فرق صرف تقویٰ اور خدا خوفی ہے۔ سورۃ حجرات آیت ۱۳ میں آتا ہے:

﴿اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقٰکُمْ﴾

اللہ کے نزدیک بزرگ وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو۔

اسی طرح وطنیت اور قومیت کے غیر انسانی جذبے وشعور کو پاش پاش کر دیا۔ آج اس تعلیم کو بھلا دینے کا نتیجہ ہی ہے کہ یہ دنیا جہنم کا نمونہ بن گئی ہے۔ اور پچھلی ایک ڈیڑھ صدی میں جس قدر خون بہا ہے وہ اسی فرق اور امتیاز کی بنیاد پر ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا ایک اور نمایاں پہلو دین و دنیا کی دوئی کا خاتمہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ اخلاص اور نیک نیتی کے ساتھ ان کاموں کو جن کو تم دنیاداری سمجھتے ہو اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے اصولوں کے مطابق کرو گے تو وہ بھی دینداری ہے۔ اگر نماز عبادت ہے تو فکر معاش بھی اللہ کی رضا جوئی کا راستہ ہے۔ اگر مال کا خرچ کرنا صدقہ ہے تو اپنے مسلمان بھائی سے بشاشت سے ملنا بھی صدقہ ہے۔ نکاح سے اگر اپنی عفت و پاکدامنی کی حفاظت مقصود ہے تو وہ اجر وثواب کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ پیغام محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ وہ پہلو ہے کہ اس اعتبار سے دنیا کا کوئی اور مذہب اسلام کے سامنے نہیں آسکتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب واحترام

عَنْ اَنَسِ بْنُ مَالِکٍ أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِفْتَقَدَ ثَابِتَ بْنِ قَیْسٍ فَقَالَ رَجُلٌ یَّا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَا اَعْلَمُ لَکَ عِلْمَهُ فَأَتَاهُ فَوَجَدَهُ جَالِسًا فِیْ بَیْتِهٖ مُنْکَسًارَأْسَهُ فَقَالَ مَاشَأْنُکَ؟فَقَالَ شَرٌّ کَانَ یَرْفَعُ صَوْتَهُ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ مِنْ اَهْلِ النَّارِ فَأَتَی الرَّجُلُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَهُ اَنَّهُ قَالَ کَذَاوَ کَذَا فَرَجَعَ اِلَیْهِ الْمَرَّةَ الْاٰخِرَةَ بِبِشَارَةٍ عَظِیْمَةٍ فَقَالَ اذْهَبْ اِلَیْهِ فَقُلْ لَّهُ اِنَّکَ لَسْتَ مِنْ اَهْلِ النَّارِ وَلٰکِنَّکَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ.

(صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الأسلام)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ (جب حضرت ثابت بن قیس انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری ملتوی کردی تو) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق دریافت کیا کہ وہ کہاں ہے؟ ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں ان کی خبر لاتا ہوں۔وہ گیا اور جا کر دیکھا کہ وہ سر جھکائے اپنے گھر میں بیٹھے ہیں۔پوچھا بتایئے آپ کا کیا حال ہے؟ حضرت ثابت نے جواب دیا بہت برا حال ہے۔ایک شخص جو اپنی آواز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند کرتا تھا اس کا عمل برباد ہوگیا ہے۔اور وہ ان لوگوں میں سے ہے جو دوزخ میں جائیں گے۔اس آدمی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر یہ خبر دی کہ انہوں نے ایسی ایسی بات کہی ہے۔پھر وہ شخص دوبارہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ عظیم الشان خوش خبری لے کر حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں پہنچا اور کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (تھا) کہ:"تم جا کر اس سے کہہ دو کہ تم جہنمی نہیں ہو بلکہ تم جنت میں جانے والے لوگوں میں سے ہو۔"

فائدہ:

کسی بھی شخص کے اتباع، ادب واحترام کے لیے یہ لازم ہے کہ انسان کو اس سے قلبی محبت ہو۔ یہ محبت ہی ہے جو انسان کو اچھے اخلاق پر آمادہ کرتی ہے اور شجاعت و بہادری، عزت و غیرت اور اسی طرح کرم وسخاوت اور مروت ونرمی قلب پیدا کرتی ہے۔کسی سے محبت کرنے اور اسے محبوب بنانے کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اس کی قربت و محبت کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار رہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ہمارا محبوب کون ہوسکتا ہے؟ یا ہم کسے اپنا محبوب بنائیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ محبوب اسی کو بنانا چاہیے جو بے غرض ہو،نسل آدم کا عظیم ترین انسان ہو اور خلق عظیم کا پیکر ہو۔عمدہ ترین تہذیب وثقافت کا داعی ہو،بہترین نظام حکومت کا بانی ہو،جس کے بے پناہ احسانات ہم پر ہوں اور جس نے ہمیں سنوارنے اور نکھارنے کے لیے خود تکلیف اٹھائی ہوں۔اور ایسی ایک ہی ہستی نظر آتی ہے اور وہ ہستی ہے آخری نبی ورحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔چنانچہ یہ محبت اس بات کا تقاضا ہے کہ عقلی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائل حمیدہ ومحاسن وکمالات واحسانات پر اس قدر غور کیا جائے کہ یہ عقلی وشرعی محبت تمام فطری محبتوں کے پر غالب آجائے اور بتدریج طبعی محبت بن جائے۔

اس حدیث پاک میں ہمیں حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اپنے محبوب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور ادب واحترام کی ایسی ہی مثال ملتی ہے۔اصل واقعہ یہ ہے کہ جب سورۃ حجرات کی یہ آیت نازل ہوئی:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ کَجَهْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَاتَشْعُرُوْنَ۔﴾ (الحجرات:۲)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اپنی آواز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اونچی آواز سے بات کیا کرو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے بات کرتے ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا کیا کرایا سب غارت ہوجائے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

تو حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری ملتوی کردی اور اپنے گھر میں بیٹھ گئے۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا کہ ثابت کا کیا حال ہے؟ کیا وہ بیمار ہوگئے ہیں؟ سعد نے عرض کیا حضور! وہ تو میرے پڑوسی ہیں میرے خیال میں تو انہیں کوئی تکلیف نہیں ہے۔حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جا کر ثابت بن قیس کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو سے آگاہ کیا وہ بولے سورۃ حجرات کی اس آیت نے مجھے پریشان کیا ہے۔تم جانتے ہو میری آواز رسول کریم صلی اللہ کی آواز سے بہت بلند ہے۔اس آیت کی رو سے میں ان لوگوں میں سے ہوں جو دوزخ میں جائیں گے۔یہ بات سن کر حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر ان کی پریشانی کا ذکر کیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بات نہیں ہے جا کر اس سے کہہ دو کہ ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو جنتی ہے۔اس روایت سے صاف طور پر

معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب واحترام اور اطاعت میں کس درجہ حساس اور محتاط تھے۔ اس آیت کے نزول کے بعد حضرت عمر فاروق کی آواز میں اس قدر پستی آگئی تھی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرماتے تھے دوبارہ کہو میں تمہاری بات پوری طرح نہیں سمجھ سکا ہوں۔

دین میں پختگی اور ایمان میں مضبوطی واستقامت کے لیے فرائض وواجبات کے ساتھ ساتھ انسان اگر سنن ومستحبات کی پابندی بھی کرے تو یہ چیز یقیناً اسے اس کے مقصد حیات سے غافل ہونے سے محفوظ رکھے گی۔ لہٰذا جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سنت کا خاص خیال رکھتا ہو تو یقیناً ایسا شخص اللہ کے فضل وکرم سے فرائض وواجبات کی ادائیگی میں کبھی بھی لاپرواہی نہیں برتے گا۔ اب آج ہم اپنے موجودہ حالات پر غور وفکر کریں! اپنے دلوں کو ٹٹولیں کیا ہمارے دلوں میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی اتباع، محبت، ادب واحترام موجود ہے؟ اس محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کا اہتمام کریں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ قرآن وسنت میں موجود ہے اور ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے دعوے میں جب ہی پورے اتر سکتے ہیں جب ہمارے طریقے اور عادتیں قرآن وحدیث کے مطابق ہوں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین اس حقیقت کو پاچکے تھے۔ اور انہوں نے عملی طور پر عمل کر کے دکھایا۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہیں کرتے؟ نہیں! ہم تمام مسلمان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے دعویدار ہیں، مسلمان ہی وہ قوم ہے جو اپنے ہادی اور رہنما سے حددرجہ محبت رکھتی ہے اور اپنی اس محبت میں منفرد بھی ہے۔ لیکن ذرا غور کیجیے کہ کیا ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت، ادب واحترام کا صرف زبانی دعوی کریں اور عمل سے فارغ ہوں۔ اگر زبانی دعوی محبت کے لیے کافی ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابولہب کبھی بھی دوزخی نہیں قرار پاتا۔ کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے موقع پر خوش ہوکر اس نے وہ لونڈی آزاد کردی جو اس کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوش خبری لے کر پہنچی تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حقیقی محبت، ان کے ادب واحترام کا صحیح تقاضا خود باری تعالیٰ نے بتادیا ہے۔

﴿جو کچھ رسول صلی اللہ علیہ وسلم دیں وہ لے لو اور جس چیز سے تمہیں روک دیں اس سے رک جاؤ۔﴾ (الحشر: ۷)

پھر یہ کیسی محبت، ادب واحترام ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو پیغام لے کر آئے ہیں اس سے لاپرواہی برتی جائے۔ اپنے ذاتی مفادات کے لیے جائز وناجائز حدود کا بالکل پاس ولحاظ نہ رکھا جائے، جس طریقے کو جس تہذیب کو، جس ثقافت کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیش کریں اس کو چھوڑ کر غیروں کی تہذیب وثقافت اور طور طریقوں کو اپنایا جائے۔ ظاہر ہے کہ محبت کے اس دعوے کی کون قدر کرسکتا ہے کہ جس کے ساتھ کوئی عملی دلیل نہ ہو۔ ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے تقاضے کو اسی وقت پورا کر سکتے ہیں جب ہماری زندگی کا ایک ایک لمحہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق گزرے اور ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اپنا آرام وچین، اپنی خوشیاں، اپنی تمنائیں، اپنی زندگی سب کچھ قربان کردیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیام، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کی سربلندی کے لیے اپنا مال، اپنا وقت اور حتیٰ کہ اپنی جان تک لٹا دیں۔ اگر ہم نے ایسا نہیں کیا تو ہم سے زیادہ محروم کوئی نہیں کیونکہ صرف زبانی دعوی ہمیں ان کی شفاعت کا حق دار نہیں بنا سکتا۔

حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم

عَنْ عَبْدُاللّٰہِ بْنِ ھَشَّامٍ قَالَ کُنَّا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ ھُوَ اٰخِذٌ بِیَدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَقَالَ لَہٗ عُمَرُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ لَاَنْتَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ کُلِّ شَیْئٍ اِلَّا مِنْ نَفْسِیْ فَقَالَ لَا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ حَتّٰی اَکُوْنَ اِلَیْکَ مِنْ نَفْسِکَ فَقَالَ عُمَرُ فَاِنَّکَ اْلاٰنَ وَاللّٰہِ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ نَفْسِیْ فَقَالَ اْلاٰنَ یَا عُمَرُ.

(صحیح البخاری، کتاب الایمان و النذر، باب کیف کانت یمین النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت عبداللہ بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے،آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے تھے،عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ مجھے اپنی جان کے سوا ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''نہیں،اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے،جب تک تم کو میں اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز نہ ہوجاؤں (تم مومن نہیں ہوسکتے)۔'' عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:''اب تو بخدا آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہوگئے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''اب اے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! (تم مومن ہو)۔''

فائدہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ایمان کا جزو لازم ہے،قرآن وسنت کی رو سے ضروری ہے کہ ہر شخص کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اپنی جان،والد،اہل وعیال، مال و دولت اور دنیا کی سب چیزوں سے زیادہ ہو۔جس کا دل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس قسم کی محبت سے محروم ہے وہ عذاب الٰہی کو دعوت دیتا ہے۔اس پر دنیا میں یا آخرت میں، یا دونوں ہی میں عذاب نازل ہونے کی وعید ہے،جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس قسم کی محبت رکھنے والے کے لیے دنیا اور آخرت میں گراں قدر فائدے اور عظیم ثمرات ہیں۔لیکن صورت حال یہ ہے کہ بہت سے مسلمان اس بارے میں کوتاہی کا شکار ہیں بلکہ ایک بڑی تعداد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی حقیقت، اس کے تقاضوں اور علامتوں سے غافل ہے۔جو تعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مسلمانوں سے اور مسلمانوں کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے،اس سے کسی بھی دوسرے رشتہ کو ذرہ برابر بھی نسبت حاصل نہیں ہے،اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

﴿نبی کا تعلق مومنوں کے ساتھ اس سے زیادہ ہے، جتنا ان لوگوں کا اپنے آپ سے ہے۔﴾ (الاحزاب:٦)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے لیے جتنے شفیق اور خیر خواہ تھے وہ محتاج وضاحت نہیں۔اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس شفقت اور خیر خواہی کو دیکھتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مومنوں کے اپنے نفسوں سے بھی زیادہ حق دار،آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو دیگر تمام محبتوں سے بڑھ کر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو اپنی تمام خواہشات سے اہم قرار دیا ہے۔لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو سب سے اہم سمجھیں۔اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تک محدود نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں کے لیے فرض قرار دی گئی ہے،جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے۔

﴿ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام بنی نوع انسان کے لیے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔﴾ (سبا:٢٨)

ایک جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے گریز کی راہ اختیار کرنے والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

﴿اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تمہارے رب کی قسم لوگ کبھی مومن نہیں ہوسکتے جب تک اپنے باہمی اختلافات میں تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں پھر جو فیصلہ تم کرو اس پر اپنے دل میں تنگی محسوس نہ کریں بلکہ فرمانبرداری کے ساتھ قبول کرلیں۔﴾ (النساء:٦٥)

گویا اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ایمان لازم وملزوم ہیں۔اطاعت ہے تو ایمان بھی ہے اطاعت نہیں تو ایمان بھی نہیں۔اور یہ اتباع ایمان کے بنیادی تقاضوں میں سے ایک تقاضا ہ۔لہٰذا انسان مومن اسی وقت ہوسکتا ہے جب کہ وہ ہر چیز سے بڑھ کر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو عزیز رکھے۔وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پر ہر چیز قربان کرسکے، یہاں تک کہ اگر اس راہ میں اولاد اور مال کو بھی چھوڑنا پڑے تو دریغ نہ کرے،حتیٰ کہ اگر اپنی جان قربان کرنے کا موقع آئے تو اس سے بھی گریز نہ کرے۔

یہاں یہ اہم بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ اسلام اعتدال اور وسط کا دین ہے۔جہاں مسلمان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت درکار ہے وہیں اسی نبی کی تعلیم ہے کہ حد سے نہ بڑھو۔فرمان رسول ہے:''مجھے حد سے نہ بڑھانا جس طرح عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حد سے بڑھا دیا''، (بحوالہ صحیح بخاری)۔چنانچہ محبت کے جوش میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایسے اوصاف بیان کرنا جن کا ذکر نہ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے اور نہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے یہ ہمارے نبی کی تعلیمات کے خلاف ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن باتوں کا حکم دیا ہے ان پر عمل کیا جائے اور جن باتوں سے روکا ہے ان سے علیحدگی اختیار کی جائے،اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اور جو تمہیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم دیں اس کو تھام لو،اور جس سے منع کریں اس سے رک جاؤ۔﴾ (الحشر:۷)

اے ہمارے رحیم و کریم رب! ہم سب کو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی محبت نصیب فرما جو آپ کو پسند ہے۔آمین یا رب العالمین!

ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت

عَنْ الْمُطَّلِبِ بِنْ اَبِیْ وَدَاعَةَ قَالَ جَاءَ الْعَبَّاسُ اِلٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ كَاَنَّهٗ سَمِعَ شَيْئًا فَقَامَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنبَرِ فَقَالَ مَنْ اَنَا فَقَالُوْا اَنْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلَيْكَ السَّلَامَ قَالَ اَنَا مُحَمَّدُ بِنْ عَبْدُ اللّٰهِ بِنْ عَبْدُالْمُطَّلِبِ اِنَّ اللّٰه خَلَقَ الْخَلْقَ فَجَعَلَنِیْ فِیْ خَيْرِهِمْ ثُمَّ جَعَلَهُمْ فِرْقَتَيْنِ فَجَعَلَنِیْ فِیْ خَيْرِهِمْ فِرْقَةً ثُمَّ جَعَلَهُمْ قَبَائِلَ فَجَعَلَنِیْ فِیْ خَيْرِهِمْ ثُمَّ جَعَلَهُمْ بُيُوْتًا فَجَعَلَنِیْ فِیْ خَيْرِهِمْ بَيْتًا وَ خَيْرِهِمْ نَسَبًا۔

(سنن الترمذی، کتاب الدعوات)

حضرت مطلب بن ابی وداعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے انہوں (یعنی حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے کفار کی جانب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نازیبا الفاظ سنے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم (افسوس اور غصہ میں) منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا: ''میں کون ہوں؟'' صحابہ کرام نے فرمایا: ''آپ اللہ کے رسول ہیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے عتراض کے جواب میں فرمایا: ''میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو اس میں مجھے مخلوق کی نوع انسانی (افضل الخلوق) میں پیدا کیا پھر نوع انسانی کے دو طبقوں میں سے عرب میں پیدا فرمایا پھر اللہ نے عرب کے قبائل اور گروہ بنائے پھر اس میں بہترین قبیلہ قریش میں پیدا فرمایا پھر اللہ تعالیٰ نے قریش میں کئی گھرانے بنائے ان میں سے مجھے افضل گھرانے بنو ہاشم میں پیدا فرمایا پس میں تمام نوع انسانی میں حسب و ذات کے لحاظ سے بھی افضل ہوں اور خاندان و گھرانے کے اعتبار سے بھی سب سے افضل ہوں۔''

فائدہ:

ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم عبادت ہے۔ جس طرح ذکر اللہ باعث ثواب ہے اور کسی وقت کے ساتھ خاص نہیں اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بھی باعث ثواب ہے اور کسی وقت اور طرز کے ساتھ خاص نہیں بلکہ یہ ہر وقت ہونا چاہیے اور جتنا ہو کم ہے۔ یہ ایسا ذکر ہے جو ہمارے تمام دینی و دنیاوی امور کے لیے کافی ہے۔ جاننا چاہیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے دو پہلو ہیں: ایک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور کمالات کا ذکر ہے اور دوسرا اس دعوت کا ذکر ہے جس کو لے کر آپ مبعوث ہوئے۔ آپ کا ذکر جس پہلو سے بھی ہو باعث خیر و برکت ہے۔ لیکن یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں کس پہلو کو زیادہ اہمیت حاصل ہے چنانچہ اس سلسلے میں یہ جاننا ضروری ہوگا کہ آپ صلی اللہ وسلم کا مقصد بعثت کیا ہے۔ سورۃ جمعہ آیت نمبر۲ میں اللہ رب العزت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد یوں فرمایا ہے:

﴿وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں سے (محمد کو) پیغمبر (بنا کر) بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیتیں پڑھتے اور ان کو پاک کرتے اور (اللہ کی) کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں۔﴾ (جمعہ:۲)

اسی طرح سورت مدثر آیت ۱-۶ میں بھی آپ کی بعثت کے مقاصد بیان کیے گئے ہیں ان سب کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے: (۱) توحید (۲) یوم آخرت پر ایمان، (۳) تزکیہ نفس کا اہتمام، (۴) تمام معاملات کی اللہ کے سپردگی (۴) صبر کی تعلیم۔

ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی اصلی شان اصلاح اور لوگوں کو اپنے رب سے جوڑنے کی ہے۔ یہی وہ پہلو ہے جس کا ذکر کرنے اور عام کرنے کی زیادہ ضرورت ہے۔ اس لیے کہ ہماری نجات کا حتمی دارومدار ہمارے اعمال پر ہے اور عمل ہی قرب الٰہی کا ذریعہ ہے۔ لیکن آج کل جس پہلو پر زیادہ زور دیا جاتا ہے وہ آپ کی ولادت شریف، اس کے متعلق واقعات اور آپ کے کمالات اور اسی کو ادائے حق محبت کے لیے کافی سمجھتے ہیں اور اتباع اور عمل کے دائرے میں صفر۔

ترے حسن خلق کی اک رمق مری زندگی میں نہ مل سکی   میں اسی میں خوش ہوں کہ شہر کے در و بام کو تو سجا دیا

ابو طالب کو آپ سے اس قدر محبت تھی کہ آپ کی خاطر تمام قریش سے ٹکر لے لی شاید اتنی محبت کا تو آج لاکھوں میں ایک مسلمان بھی دعوی نہیں کر سکتا مگر ایمان نہ لائے اور آپ کی تعلیمات پر عمل نہیں کیا اس لیے نجات کے لیے وہ محبت کافی نہ ہوئی۔ پس معلوم ہوا کہ محبت کے اظہار کا بہترین ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے نہ کہ صرف اظہار محبت۔

یقیناً آپ کے حالات اور کمالات کے بیان کی بھی اہمیت ہے کہ ان کے ذکر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت بڑھتی ہے اور جس سے محبت ہوتی ہے اس کا اتباع اور اس کی بات ماننا اور عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے لیکن اس کے بھی آداب ہیں۔ یہاں یہ نکتہ بھی ذہن میں رہنا چاہیے کہ ہر شخص کی تعریف اس کے مذاق کے موافق ہوتی ہے اور اگر اس اصول کو ذہن میں نہ رکھا جائے تو پھر تعریف اور مدح درحقیقت مدح نہیں رہتی بلکہ بے ادبی اور گستاخی بن جاتی ہے۔ خود آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''مجھے حد سے نہ بڑھانا جس طرح عیسائیوں نے حضرت عیسی علیہ السلام کو حد سے بڑھا دیا مجھے تم اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہنا۔''
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

عیسائیوں کی غلطی یہی تھی کہ انہوں نے حضرت عیسی علیہ السلام سے وہ باتیں منسوب کر دیں جو ان کے شایان شان نہ تھیں اور ایسا کر کے وہ یہ سمجھتے تھے کہ گویا ہم ان کی عظمت کا اظہار کر رہے ہیں جب کہ درحقیقت وہ ان کی اور حق تعالیٰ کی شان میں گستاخی کر رہے تھے۔ اپنی دانست میں تو وہ نیکی کماتے رہے جب کہ ان کے نامہ اعمال گناہوں سے سیاہ ہوتے رہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام

عَنْ جُبَیْرِ بْنِ مُطْعَمٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ لِیْ اَسْمَاءٌ اَنَا مُحَمَّدٌ وَ اَنَا اَحْمَدُ وَ اَنَا الْمَاحِیُ الَّذِیْ یَمْحُ اللّٰہ بِیْ الْکُفرَ اَنَا الْحَاشِرُ الَّذِیْ یُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰی قَدَمَّی اَنَا الْعَاقِبُ، وَ الْعَاقِبُ الَّذِیْ لَیْسَ بَعْدَہ نَبِیٌّ۔

(صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب ما جاء فی أسماء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، مسلم کتاب الفضائل، باب فی اسمائہ)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''میرے چند نام ہیں، میں محمد ہوں، احمد ہوں، اور ماحی ہوں، وہ ماحی جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کفر کو محو کرے گا۔ اور حاشر ہوں، وہ حاشر جس کے بعد ہی قیامت میں اور لوگوں کا حشر ہوگا۔ اور عاقب ہوں، عاقب اسے کہتے ہیں جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو۔''

فائدہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر نام صرف تعارف کا ایک ذریعہ یا اظہار محبت کے مختلف عنوانات نہیں ہیں۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر نام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی نہ کسی صفت کا اظہار ہے۔ درحقیقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گونا گوں کمالات کا مظہر ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تمام بشری کمالات و صفات کا کامل ترین اور بے مثل نمونہ ہے اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام بہت ہیں اور ہر نام گرامی کسی خاص صفت کی کا اظہار ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض ناموں کا ذکر قرآن مجید میں ہے، کچھ احادیث میں آئے ہیں اور کچھ سابقہ آسمانی کتابوں میں آئے ہیں۔ ان کی کل تعداد کے بارے میں علمائے کرام کی آرا مختلف ہیں۔

اس حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پانچ ناموں کا خصوصیت سے ذکر فرمایا ہے۔ محمد، احمد، ماحی، حاشر اور عاقب۔ البتہ محمد اور احمد ذکر فرما کر ان کے معنی نہیں بتائے جب کہ باقی ناموں کے معنی بھی ذکر فرمائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ محمد اور احمد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی نام ہیں اور باقی نام صفاتی ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا ذاتی نام محمد ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے مشہور نام ہے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا حضرت عبدالمطلب کا رکھا ہوا ہے۔ اس سلسلے میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے بہت پہلے عبدالمطلب نے ایک خواب دیکھا جس کی تعبیر یہ نکلی تھی کہ ان کی نسل میں ایک ایسا شخص پیدا ہوگا جس کی تابعداری کرنے والوں کا سلسلہ مشرق سے مغرب تک پھیلا ہوگا اور زمین و آسمان میں اس کی تعریف ہی تعریف ہوگی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمد رکھا۔ محمد اس کو کہتے ہیں جس کی اتنی تعریف اور اتنی بار کی جائے جتنی کسی اور بشر کی نہ کی جائے۔ یہ بھی آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے یہ نام کسی اور کا نہیں رکھا گیا تھا۔ البتہ بعض لوگوں نے اہل کتاب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عنقریب آنے کی پیشین گوئی سن کر اپنے بیٹوں کا نام محمد رکھ لیا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا ذاتی نام احمد ہے۔ اس کے دو معنی بیان کیے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ تمام تعریف کرنے والوں میں اپنے پروردگار کی سب سے زیادہ تعریف کرنے والا۔ اس کے دوسرے معنی ہیں تمام لوگوں میں سب سے زیادہ تعریف کے قابل اور ثنا کا مستحق۔ یعنی یہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی ہے جو اس قابل ہے کہ اس کی سب سے زیادہ اور سب سے کامل تعریف کی جائے۔ اب اگر غور کیا جائے تو صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دنیا میں آمد سے لے کر آج تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی تعریف اور کتنا ذکر کیا گیا اور جب تک یہ دنیا آباد ہے یہ سلسلہ یونہی چلتا رہے گا۔ اور یہ صرف مسلمانوں ہی کے لیے خاص نہیں کہ وہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے ہیں اور ان کی تعریف میں اپنی نجات سمجھتے ہیں کفار میں بھی جو تعصب و عناد کا شکار نہیں ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ثنا خواں ہیں۔ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔

ایک اور روایت میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں محمد ہوں، اور احمد ہوں اور مقفی (یعنی عاقب) اور حاشر اور نبی التوبہ اور نبی الرحمۃ ہوں، (مسلم)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی التوبہ یعنی توبہ کا نبی اس لیے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر انسانوں کی ایک بڑی تعداد نے توبہ کی اور اس لیے بھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے توبہ و استغفار کرتے تھے اور رجوع الی اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا بنیادی نکتہ تھا۔ نبی الرحمت یعنی رحمت کا نبی اس لیے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہانوں کے لیے رحمت ہیں جس کی طرف قرآن پاک نے یوں اشارہ فرمایا ہے:

﴿وَ مَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ. ﴾ (الانبیاء:۱۰۷)

ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔

ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو متوکل اور حرز ا للامیین یعنی ان پڑھ قوم کی حفاظت کرنے والا بتایا گیا۔اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ تورات میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شاہد یعنی گواہ، بشیر یعنی خوشخبری دینے والا، اور نذیر یعنی ڈرانے والا ذکر کیا گیا ہے، (بخاری)۔ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو امام الخیر اور قائد الخیر کہا گیا، (ابن ماجہ)۔ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صفاتی نام قاسم کا بھی ذکر ہے۔شفیع بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا نام ہے۔

قرآن پاک میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف نام ذکر کیے گئے ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدائشی نام محمد کا ذکر چار مقام پر آیا ہے۔

(۱)﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ. ﴾ (آل عمران:۱۴۴)

محمد صلی اللہ علیہ وسلم صرف رسول ہی ہیں۔

(۲)﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَا لِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ۔﴾(الاحزاب:۴۰)

(لوگو!محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول اور خاتم النبین ہیں۔)

(۳)﴿وَاٰمَنُوْبِمَانُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَالْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ۔﴾ (محمد:۲)

جو ایمان لائے اس کتاب پر جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی وہ برحق ہے ان کے رب کی طرف سے۔

(۴)﴿مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰه. ﴾ (فتح:۲۹)

یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

اور اسم احمد کا ذکر سورۃ صف میں ملتا ہے۔ارشاد ہے:

﴿وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِ يْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِى اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ. ﴾(صف:۶)

یعنی اور یاد کرو جب عیسی بن مریم نے کہا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہو کر آیا ہوں تصدیق کرنے والا توریت کی جو مجھ سے پہلے ہے اور بشارت سنانے والا اس رسول کی جو میرے بعد آنے والے ہیں۔ان کا نام احمد ہوگا۔

قرآن پاک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیگر صفاتی ناموں سے بھی پکارا گیا ہے۔بعض صفاتی نام جو کثرت سے آئے ہیں وہ یہ ہیں: رسول، نذیر، بشیر، مبشر، شاہد، داعی الی اللہ، سراج منیر، مزمل، النبی الامی، مُذَ کِّر (یعنی یاد دلانے والا)، رحمۃ للعالمین، خاتم النبیین، عبد، رؤف، رحیم، نور، اور برہان۔ کچھ نام جو براہ راست تو نہیں آئے لیکن علمائے کرام نے قرآن مجید کی مختلف آیتوں سے اخذ کیے ہیں، مثلاً: مصطفیٰ، مجتبیٰ مطاع، صادق، امین، مبلغ، معلم، مزکی وغیرہ۔

ابر در افشاں سرور سامی بدر درخشاں صدر گرامی حاذق دوراں چارہ گر غم صلی اللہ علیہ وسلم
باطن و ظاہر، طیب و طاہر، خسر و قاہر کوکب باہر جان مظاہر مرکز عالم صلی اللہ علیہ وسلم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر تورات میں

عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ لَقِيتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قُلْتُ اَخْبِرْنِیْ عَنْ صِفَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ التُّوْرٰةِ، قَالَ اَجَلْ وَاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمُوْصُوْفٌ فِیْ التُّوْرٰةِ بِبَعْضِ صِفَتِهٖ فِیْ الْقُرْاٰنِ يٰاَيُّهَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَ نَذِيْرًا وَ حِرْزًا لِّلْاُمِّيِّيْنَ، اَنْتَ عَبْدِیْ وَ رَسُوْلِیْ سَمَّيْتُکَ الْمُتَوَکِّلَ لَيْسَ بِفَظٍّ وَ لَا غَلِيْظٍ وَ لَا سَخَّابٍ فِیْ الْاَسْوَاقِ وَ لَا يَدْفَعُ بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ وَ لٰکِنْ يَعْفُوْ وَ يَغْفِرُ وَ لَنْ يَقْبِضَهُ اللّٰهُ حَتّٰى يُقِيْمُ بِهِ الْمِلَّةَ الْعَوْجَاءَ بِاَنْ يَّقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ و يَفْتَحُ بِهَا اَعْيُنًا عُمْيًا وَ اٰذَانًا صُمًّا وَ قُلُوْبًا غُلْفًا.

(صحيح البخاری، کتاب التفسير القرآن، باب إنا اسلنک شاهدا و مبشرا و نذيرا)

حضرت عطاء بن یسار کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ملاقات سے مشرف ہوا تو ان سے عرض کیا کہ تورات (یہودیوں کی آسمانی کتاب) میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جن صفات وخصوصیات کا ذکر ہے ان کے بارے میں مجھے کچھ بتائیں۔حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ضرور بتاؤں گا۔(چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا:)''اللہ کی قسم تورات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان بعض صفات و خصوصیات کا ذکر ہے جو قرآن کریم میں (بھی) آئی ہیں۔(چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تورات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو صفات آئی ہیں قرآن پاک میں ان کو یوں بیان کیا ہے) اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے تمھیں اہل ایمان کا شاہد، اجر وانعام کی خوشخبری دینے والا، عذاب وعتاب سے ڈرانے والا اور امیوں کو پناہ دینے والا بنا کر بھیجا ہے۔(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) !تم میرے بندے ہو،تم میرے رسول ہو۔ میں نے تمھارا نام متوکل (اللہ پر بھروسہ رکھنے والا) رکھا ہے۔اور یہ ایسے نبی ہیں جو، نہ سخت گو ہیں اور نہ سخت دل ہیں اور نہ بازاروں میں شور وغل مچانے والے ہیں۔لیکن وہ معاف کردیتے ہیں اور درگزر کرتے ہیں،اور اللہ تعالیٰ ان کو اس وقت تک نہیں اٹھائیں گے جب تک کہ ٹیڑھی، بے راہ رو،ملت کو ان کے ذریعے سیدھا نہ کرلیں۔یعنی راہ ہدایت پر نہ ڈال دیں۔یعنی جب تک وہ اس بات کا قول وقرار کرلیں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔اور یہاں تک کہ ان کے ذریعے اندھی آنکھوں کو اور بہرے کانوں کو اور بند دلوں کو کھول نہ دیں۔''

فائدہ:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہایت عالم فاضل، قاری، حافظ صحابی تھے۔پچھلی آسمانی کتابوں کو بھی خوب پڑھا تھا اسی لیے انہیں معلوم تھا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تورات میں کیا کیا پیشین گوئیاں آئی ہیں جن کو کچھ تفصیل سے انہوں نے بیان کیا۔تورات میں اشیعا نبی کی کتاب کے باب ۴۲ میں جو الفاظ ملتے ہیں وہ کم وبیش وہی مفہوم ادا کرتے ہیں جو اس حدیث میں بیان کیے گئے ہیں بلکہ اور بھی بہت سے اوصاف بیان کیے گئے ہیں جن کا مصداق صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہی ٹھہرتی ہے۔وہ الفاظ مختلف مقامات سے یوں ہیں:''میرا برگزیدہ''،یعنی مصطفیٰ۔''وہ قوموں کے درمیان عدل وانصاف جاری کرائے گا۔ وہ نہ شور مچائے گا اور نہ اپنی صدا بلند کرے گا،اور وہ اپنی آواز بازاروں میں نہ سنائے گا۔''میں انہیں ان رستوں پر جن سے وہ آگاہ نہیں لے جاؤں گا۔'' یعنی امیوں (عربوں) کو جو کسی آسمانی ہدایت سے آگاہ نہ ہوں گے ہدایت کی راہ دکھاؤں گا۔''قیدار کے آباد دیہات اپنی آواز بلند کریں گے۔'' یعنی مکہ شریف۔ دیگر مقامات پر بھی ایسے الفاظ ملتے ہیں جو صرف اور صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی صادق آتے ہیں۔مثلاً: فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا، (استثناء۔۲۳،۱،۲،۳)۔فتح مکہ کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثاروں کی تعداد بھی دس ہزار تھی۔

میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا فارقلیط یعنی (احمد) بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے، (یوحنا۱۴:۱۶) یعنی اس کی نبوت قیامت تک ہوگی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور غیروں کی گواہی

عَنْ عَلِيٍّ اَنَّ اَبَاجَهْلٍ قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لَا نُكَذِّبُكَ وَ لٰكِنْ نُكَذِّبُ بِمَا جِئْتَ بِهٖ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْهِمْ ﴿فَاِنَّهُمْ لَايُكَذِّبُوْنَكَ وَ لٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ﴾.

(سنن الترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب و من سورۃ الانعام)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب ابوجہل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: ''ہم (قریش) تمھیں نہیں جھٹلاتے (کیونکہ تم صادق وامین ہو)، ہم تو اس چیز کو جھٹلاتے ہیں جو تم لے کر آئے ہو، تو اللہ تعالیٰ نے ان (قریش) کے حق میں یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وہ آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ وہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں۔﴾

فائدہ:

کفار مکہ اپنی تمام تر مخالفتوں کے اور توحید سے اپنے انکار کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ کی ذات اور آپ کی دعوت کے معترف تھے۔ اوپر والی حدیث میں ابوجہل کا قول اس بات کی دلیل ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا جانتے ہوئے بھی حق سے انکار کر رہا تھا۔ ذیل میں ہم چند واقعات پیش کرتے ہیں جن سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کفار بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور دعوت کے معترف تھے بس اپنی چودھراہٹ اور مفاد ان کو علانیہ اس کا اقرار سے روک دیتا تھا۔

کفار مکہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ روکنے کے لیے ایک کمیٹی بنائی جس نے ان مختلف طریقوں پر غور کیا جس سے توحید کی اس دعوت کو روکا جائے۔ ہر ایک نے اپنی رائے دی جن کا مرکزی نکتہ یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو بدنام کر دیا جائے۔ لیکن کسی بات پر بھی اتفاق نہیں ہوا۔ ولید بن مغیرہ جو اس کمیٹی میں سب سے عمر رسیدہ تھا نے کہا: ''سچ تو یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں عجب شیرینی ہے۔ اس کی گفتگو میں حلاوت ہے۔'' ایک موقع پر کفار نے ایک سردار عتبہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا تاکہ وہ تحریص اور لالچ کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ سے روک سکے۔ اس نے مال و دولت کی پیش کش کی، اقتدار کی پیش کش کی، اس نے باعزت خاندان میں شادی کرا دینے کی پیش کش کی جس کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کی چند آیتیں تلاوت فرما دیں۔ عتبہ ایک محویت کے عالم میں ان کو سنتا رہا اور بالآخر چپ چاپ اٹھا اور اپنے ساتھیوں کے پاس چلا گیا اور یوں بولا: ''اے قریش کے لوگو! میں ایسا کلام سن کر آیا ہوں جو نہ کہانت ہے نہ شعر نہ جادو ہے نہ منتر۔ میرا کہا مانو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے حال پر چھوڑ دو۔'' یہ سن کر لوگوں نے کہا: ''لو عتبہ پر بھی محمد کا جادو چل گیا۔'' بعثت کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ اب علانیہ دعوت توحید دی جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا پر چڑھ کر قریش کو پکارا اور جب لوگ جمع ہوگئے تو فرمایا: ''اگر میں تم سے کہوں کہ پہاڑ کے پیچھے سے ایک لشکر آ رہا ہے تو تم یقین کرو گے؟'' سب نے کہا: ''ہاں! کیونکہ تم کو ہمیشہ سے ہم نے سچ بولتے دیکھا ہے۔''، (بخاری)۔

شاہ روم قیصر کے دربار میں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک پہنچا تو اس نے بعض عربوں کو جن میں ابوسفیان بھی تھے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے طلب کیا اور ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق چند پوچھے، اختصار کے ساتھ پیش خدمت ہیں۔ قیصر: ان کا خاندان اور نسب کیسا ہے؟'' ابوسفیان نے جواب دیا: ''شریف وعظیم'' قیصر: ''نبی شریف گھرانے سے ہوتے ہیں۔'' قیصر نے سوال کیا: ''کیا یہ شخص جھوٹ بولا کرتا تھا یا کبھی جھوٹ بولنے کی تہمت لگائی گئی تھی؟'' ابوسفیان: ''نہیں۔'' قیصر: ''جس نے لوگوں پر جھوٹ نہ بولا ہو یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ اللہ پر جھوٹ باندھے۔'' قیصر: ''یہ شخص کبھی عہد و پیمان کو توڑ بھی دیتا ہے؟'' ابوسفیان ''نہیں، اس سال ہمارا معاہدہ ہوا ہے دیکھیے کیا انجام ہوتا ہے۔'' قیصر: ''بے شک نبی عہد شکن نہیں ہوتے، عہد شکنی دنیا دار کیا کرتا ہے۔ نبی دنیا کے طالب نہیں ہوتے۔'' اس گفتگو میں اور بھی سوال و جواب ہیں لیکن اس کا اختتام قیصر کے ان الفاظ کے ساتھ ہوتا ہے: ''ابوسفیان! اگر تم نے سچ سچ جواب دیے ہیں تو وہ ایک روز اس جگہ کا جہاں میں بیٹھا ہوا ہوں ضرور مالک ہوجائے گا۔''، (بحوالہ بخاری)۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر کفار مکہ کی طرف سے مختلف لوگ مذاکرات کے لیے آتے رہے۔ ان میں سے ایک عروۃ بھی تھا۔ اس نے لشکر اسلام میں جو کچھ دیکھا وہ اس نے واپس جا کر اپنے لوگوں کو بیان کیا تھا۔ اس نے کہا: ''اے لوگو! میں نے قیصر و کسریٰ کے دربار دیکھے ہیں لیکن یہ عقیدت اور جانثاری کہیں نہیں دیکھی۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب بات کرتے ہیں تو سناٹا چھا جاتا ہے۔ کوئی شخص ان کی طرف نظر بھر کر نہیں دیکھ سکتا، وہ وضو کرتے ہیں تو جو پانی گر جاتا ہے اس پر لوگ ٹوٹ پڑتے ہیں، بلغم یا تھوک گرتا ہے تو عقیدت مند ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں اور چہرہ اور ہاتھوں میں مل لیتے ہیں۔''، (بحوالہ بخاری)۔

مقام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

عَنِ اَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَنْبَغِي لِعَبْدٍ اَنْ يَقُوْلَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ يُوْنُسَ بْنِ مَتَّى.

(صحیح بخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ و إن یونس لمن المرسلین ۔صحیح مسلم، کتاب الفضائل من فضائل موسیٰ علیہ السلام، باب فی ذکر یونس علیہ السلام)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:''کسی بندے کے لیے مناسب نہیں کہ وہ کہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت یونس بن متی (علیہ السلام) سے بہتر ہیں۔''

فائدہ:

ہم مسلمان نہیں ہے اگر ہم اللہ کے تمام نبیوں پر ایمان نہ لائے چاہے ان کے نام ہمیں معلوم ہیں یا نہیں اور ان سب کا احترام ہم پر لازم ہے۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ ہم سب رسولوں اور نبیوں پر ایمان لانا لازمی ہے۔البتہ مرتبہ کے لحاظ سے ان کی بزرگی میں فرق ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿یہ (اللہ کے) رسول ہیں (جنہیں اس نے بندوں کی ہدایت کے لیے بھیجا ہے) ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے خود اللہ تعالیٰ ہم کلام ہوا ہے اور اس نے ان میں سے بعض کے مرتبے بلند کیے ہیں۔﴾ (بقرۃ:۲۵۳)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انسان کی نفسیات کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو ہر اس بات کی تربیت دی جہاں سے ان کے اندر بگاڑ یا خرابی آنے کے امکانات تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بھی امت کے اس نفسیاتی مسئلے کا حل ہے،جس کے متعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈر تھا کہ امت اس گمراہی میں نہ پڑ جائے یعنی غلو۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی تائید میں اور بھی بہت سی احادیث ملتی ہے ان میں سے چند یہ ہیں۔

☆تم مجھے انبیاء کے درمیان فضیلت مت دو۔(بحوالہ بخاری) ☆تم نبیوں کو ایک دوسرے پر ترجیح نہ دو۔(بحوالہ مسلم)

☆تم مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ترجیح نہ دو۔(بحوالہ مسلم) ☆تم بعض نبیوں کو دوسرے نبیوں سے افضل نہ کہنا۔(بحوالہ مسلم)

☆ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔اے مخلوق میں سب سے بہتر۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''وہ تو ابراہیم تھے۔''(بحوالہ مسلم)

☆تم میری مدح وتعریف میں حد سے تجاوز نہ کرو جس طرح نصاری عیسٰی بن مریم کی تعریف میں حد سے تجاوز کر گئے ہیں۔میں تو بس خدا کا بندہ ہوں لہٰذا تم مجھے خدا کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔(بحوالہ بخاری و مسلم)

ان احادیث کی تعلیم دراصل امت کو اس لیے دی گئی ہے کہ وہ بعض پیغمبروں کی محبت واحترام میں اس حد تک نہ بڑھ جائیں کہ دوسرے پیغمبروں کی شان میں بے ادبی اور گستاخی کرنے لگیں۔یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ بعض نادان شاعروں نے اپنے کلام میں بعض رسولوں کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کی ہے۔بعض واعظ قسم کے علماء انبیاء علیہم السلام کا باہمی تقابل کر کے کسی کو بڑھاتے ہیں اور کسی کو گراتے ہیں۔اس طرح کی بے احتیاطی کی روک تھام کے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ''تقابل'' سے منع فرمایا ہے۔بہر حال نبیوں اور رسولوں کا مقام بہت بلند اور نازک ہے۔ان کی شان میں گستاخی اور بے ادبی انتہائی خطرناک ثابت ہوسکتی ہے۔اللہ تعالیٰ اس جرم عظیم سے محفوظ فرمائے۔آمین!

بعض نبیوں کی بعض پر فضیلت اور تمام پیغمبروں پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت و برتری ایک مسلمہ حقیقت ہے اور کتاب وسنت سے ثابت ہے۔جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اے نبی! ہم نے تمہیں تمام انسانوں کے لیے بشیر ونذیر بنا کر بھیجا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔﴾ (سبا:۲۸)

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اے نبی! کہہ دو کہ اے انسانو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔﴾ (الاعراف:۱۵۸)

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسٰی علیہ السلام تک ہر نبی اور ہر رسول کی بعثت صرف اپنی قوم کو دعوت الی اللہ دینے کے لیے ہوتی تھی۔لیکن حضرت محمد مصطفیٰ خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کو بعثت کے وقت سے قیامت تک دنیا بھر کے سب انسانوں وجنوں (چاہے وہ کسی ملک کے رہنے والے ہوں اور

کسی قوم سے ہوں) کے لیے مبعوث فرمایا گیا۔جیسا کہ ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کونہیں دی گئیں (۱) ایک مہینے کی مسافت پر دشمن کے دل میں میری دھاک بٹھانے سے میری مدد فرمائی گئی۔(۲) تمام روئے زمین میرے لیے مسجد اور پاک ہے، جہاں بھی نماز کا وقت ہوجائے میری امت وہاں نماز ادا کرے۔(۳) مال غنیمت میرے لیے حلال کردیا گیا، جو مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں تھا۔(۴) مجھے شفاعت کا حق دیا گیا۔اور (۵) پہلے نبی صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور مجھے کائنات کے تمام انسانوں کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا۔

ظاہر بات ہے کہ یہ شرف اور مرتبہ کسی دوسرے نبی اور رسول کونہیں ملا۔ یوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پوری بنی نوع انسانی کے لیے نجات دہندہ اور رسول ہیں۔اب نجات کسی اور مذہب میں نہیں ہے۔نجات اور ہدایت اگر ہے تو صرف اسلام کے اپنانے اور اسے اختیار کرنے میں ہے۔

بہت سی اور احادیث میں بھی یہ صاف صاف موجود ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ اور مقام سب رسولوں سے بلند ہے۔ یہاں ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند فرمان پیش کرتے ہیں جن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت دوسرے انبیا پر واضح ہوتی ہے۔

☆ قیامت کے دن میں سب انسانوں کا سردار ہوں گا۔میں سب سے پہلے اپنی قبر سے باہر آؤں گا اور میں سب سے پہلے سفارش کروں گا اور میں وہ ہوں جس کی سفارش سب پہلے قبول ہوگی۔(بحوالہ مسلم)

☆ میں اللہ کی نگاہ میں سب اگلوں پچھلوں سے زیادہ عزت والا ہوں اور (یہ اللہ کا خاص فضل وکرم ہے) میں اس پر فخر نہیں کرتا۔(بحوالہ ترمذی)

☆ میں سب رسولوں کا امام ہوں یہ کوئی فخر کی بات نہیں میں آخری نبی ہوں (میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا) میں اس پر فخر نہیں کرتا۔(بلکہ اللہ تعالیٰ کی اس عنایت پر میں اس کا شکر ادا کرتا ہوں)۔(بحوالہ دارمی)

☆ انبیاء میں سے ہر ایک نبی کو معجزات میں سے صرف اتنا دیا گیا جس پر انسان ایمان لا سکے، اور جو معجزہ مجھ کو ملا وہ اللہ کی وحی (قرآن کریم) ہے جو اس نے میری طرف بھیجی (اور جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے) اس کی بناء پر مجھے یقین ہے کہ قیامت کے دن میرے ماننے والوں کی تعداد تمام انبیاء کے ماننے والوں سے زیادہ ہوگی۔(بحوالہ بخاری و مسلم)

ان احادیث کی روشنی میں یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب نبیوں اور رسولوں سے افضل و برتر ہیں۔لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرنے میں اس حد تک مبالغہ کرنا کہ اس سے کسی نبی کے مقام اور مرتبے میں کمی ہوتی ہو تو یہ سراسر ناجائز ہے۔نبوت کے مرتبہ میں سب انبیاء برابر کے شریک ہیں۔اگر کسی رسول کو دوسرے رسولوں پر کوئی فضیلت حاصل ہے تو وہ دوسری خصوصیات کی وجہ سے ہے نہ یہ کہ جس پر فضیلت حاصل ہے وہ حقیر اور ناقص ہے۔امام الانبیاء سرکار دوعالم خاتم النبین ورحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو سب رسولوں کا امام اور سردار کہنے کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہے کہ باقی سب پیغمبروں کی یا ان میں سے کسی کے بھی مقام و مرتبے کو کم کیا جائے۔اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس سے محفوظ و مامون فرمائے۔آمین!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبدیت

عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰه صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُطْرُوْنِىْ كَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰى عِيْسٰى ابْنَ مَرْيَمَ فَاِنَّمَا اَنَا عَبْدُهٗ فَقُوْلُوْا عَبْدُاللّٰهِ وَ رَسُوْلُهٗ.

(صحیح البخاری، کتاب أحادیث الانبیاء، باب و اذکر فی الکتاب مریم إذ انتبذت من اھلھا)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’مجھے حد سے مت بڑھانا جیسے عیسائیوں نے حضرت عیسی علیہ السلام کو حد سے بڑھا دیا۔ میں تو محض اس کا بندہ ہوں، پس تم مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔‘‘

فائدہ:

پیغمبروں اور رسولوں کی ذات اور ان کے کمالات کو تسلیم کرنے کے اعتبار سے انسانوں کے عموما دو گروہ سامنے آتے رہے ہیں۔ ایک تو وہ گروہ جو سرا سر ان کا انکار کرتا ہے اور اسی ضد و عناد میں وہ ان کے اوصاف و کمالات کا بھی اعتراف نہیں کرتا ہے۔ دوسرا گروہ ہے جو مانتا ہے لیکن بعض اوقات غلو و مبالغہ سے کام لیتا ہے اس کے نتیجے میں ان کو اس درجے پر پہنچا دیتا ہے جس کا انکار خود انبیائے کرام علیہم السلام اپنی تعلیمات کے ذریعے کرتے ہیں برخلاف اس کے وہ خود اس کا دعوی کریں۔ اسی مبالغہ اور غلو کی قبیل سے یہ بات بھی ہے کہ ان رسولوں اور نبیوں کو جنس انسانی سے بالاتر تصور کیا جائے ان کو مثال کے طور پر نوری مخلوق سمجھا جائے۔ دوسرے مذاہب میں عقیدے کا یہ فساد شرک و بت پرستی کے طور پر نمایاں ہوتا ہے چنانچہ ہندوؤں کے ہر پیشوا کی شخصیت میں الوہیت کی جھلک موجود ہے اسی لیے ان کی تمام تر امیدوں کا مرکز اور ان کے حاجت روا یہی بت ہیں جو وہ خود اپنے ہاتھوں سے تراشتے ہیں۔ عیسائیوں نے بھی حضرت مسیح علیہ السلام کا مردوں کو زندہ کر دینا، پیدائشی اندھے کو بینا بنا دینا یا کوڑھی کو تندرست کر دینا دیکھ کر ان کو اللہ ہی کا درجہ دے دیا۔ حالانکہ انبیا علیہم السلام اپنے اقوال و افعال کے ذریعہ اس بات کی طرف رہنمائی کرتے ہیں کہ جو خصوصیات بھی ان میں موجود ہیں وہ سب کچھ اللہ ہی کی مرضی اور اسی کے اختیار سے ہیں۔ اسی لیے شفیق امت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس سے خبردار فرما دیا۔ متعدد موقعوں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عبد ہونے کا ذکر فرمایا اور امت پر واضح کیا کہ میرا سب سے بڑا مقام اور شرف و عزت اسی عبدیت میں ہے جس سے میرے رب نے مجھے باعزت فرمایا ہے۔ اس عبدیت اور رسالت کے عقیدے کی اتنی اہمیت ہے کہ ہر مسلمان کو ہر نماز میں و اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ کہہ کر اس بات کی گواہی دینا پڑتی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ بعض لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت تعریف کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے روکا اور فرمایا: ’’اے لوگو! تم وہی باتیں کرو جو تم کرتے ہو، کہیں شیطان تمہیں بہکا نہ دے۔ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا (عبد) بندہ اور اس کا رسول ہوں میں نہیں چاہتا کہ تم مجھے میرے اس مرتبے اور مقام سے بڑھا دو جو اللہ نے مجھے عطا کیا ہے۔‘‘ (احمد، نسائی)۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’مجھے میرے حق سے زیادہ بلند نہ کرو کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا رسول بنانے سے پہلے مجھے اپنا بندہ بنایا ہے۔‘‘ (مجمع الزوائد باسناد حسن)۔ آپ کی دعوت تو یہ تھی کہ میں تو صرف اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے ہدایت کے لیے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے میرے اس مرتبہ پر ایمان لاؤ اور میرے بتائی ہوئی راہ پر چلو۔

قرآن نے واضح طور پر بتایا ہے کہ انبیا کا عبد ہونا ان کی عظمت و رفعت کی بات ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے حوالے سے قرآن پاک میں آتا ہے:

﴿لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ. ﴾ (النساء:۱۷۲)

یعنی مسیح ہرگز اس سے عار نہ کریں گے کہ وہ اللہ کے بندے ہیں۔

عبدیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ وصف ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے ساتھ خاص ہے۔ دیگر انبیا علیہم السلام جس طرح خلیل اللہ، کلیم اللہ، روح اللہ وغیرہ کے خطابات سے مشرف ہیں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا خطاب عبداللہ یعنی اللہ کا بندہ ہے۔

قرآن پاک نے اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے اپنے عبد ہونے کا بار بار اعلان فرمایا ہے۔ بلکہ درحقیقت یہ عبد ہونا تو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی شان ہے۔ چنانچہ معراج جو تقرب الٰہی کی آخری منزل اور انسانی رتبہ کی آخری شرف یابی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی لقب خاص سے پکارے گئے۔ اللہ رب العزت نے فرمایا:

﴿سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ۔﴾ (بنی اسرائیل:۱)

یعنی پاک ہے وہ ذات جو معراج میں اپنے بندہ کو لے گیا۔

اسی معراج میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بغیر کسی واسطہ وحی فرمائی تو فرمایا:

﴿فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰی۔﴾ (نجم:۱۰)

یعنی پھر اللہ نے وحی کی اپنے بندے پر جو کچھ کہ وحی کی۔

قرآن جو اللہ کا کلام ہے جب اس کے نازل کرنے کے متعلق آیت آتی ہے تو آپ کی عبدیت کا ذکر فرمایا جاتا ہے۔فرمان الٰہی ہے:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ۔﴾ (الکہف:۱)

ساری تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے کتاب اپنے بندے پر اتاری۔

اسی طرح سورۃ فرقان آیت نمبر ۱ اور سورۃ حدید آیت نمبر ۹ میں نزول قرآن کی نعمت کا ذکر کرتے ہوئے اللہ رب العزت نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی عبدیت کے اعزاز سے نوازا ہے۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان دلانے کا موقع آیا تو اپنا بندہ کہہ کر دل بستگی فرمائی جارہی ہے:

﴿اَلَیْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ۔﴾ (زمر:۳۶)

یعنی کیا اللہ پنے بندے کے لیے کافی نہیں؟

جب کافروں کو اس بات کا چیلنج دیا گیا کہ اگر تم اس قرآن کو انسانی کلام سمجھتے ہو تو ایک سورت ہی اس جیسی بنادو وہاں اللہ رب العزت نے فرمایا:

﴿وَ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ۔﴾ (بقرۃ:۳۲)

یعنی اگر تمہیں اس کلام میں کچھ شک ہے جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے تو اس کی سی ایک سورت ہی بنالاؤ۔

یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے وہ یہ کہ انبیائے کرام علیہم السلام دوسرے انسانوں کے ساتھ بہت سے انسانی اوصاف میں شریک ہونے کے باوجود اپنے منصب رسالت کے اعتبار سے ایک الگ، بلند اور اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔خود وحی کا سننا ان کا عام انسانوں سے ممتاز اور برتر ہونا واضح کردیتا ہے۔بلکہ بعض دوسرے امور و خصائص میں بھی ان کو امتیاز حاصل ہوتا ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل روزے رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ میرا رب مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔ اسی طرح نیند کی حالت میں بھی ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اور اس کے احساسات کا غافل نہ ہونا صحیح حدیثوں سے ثابت ہے۔آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ میں تم کو اپنی پیٹھ کے پیچھے سے بھی ویسے ہی دیکھتا ہوں جیسے سامنے سے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بخار کی شدت بھی عام انسانوں سے زیادہ ہوتی تھی۔لیکن ان تمام خصائص سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے لیے وہ باتیں وہ صفات ثابت کردی جائیں جو اللہ رب العزت کی ذات ہی کے لیے مخصوص ہیں۔اس سلسلے میں بنیادی و اصولی بات یہ ہے کہ جو اوصاف قرآن پاک اور خود جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرما دیے ان کو دل و جان سے مانیں لیکن اس راہ میں آگے بڑھنے کی کوشش نہ کریں اس لیے کہ اس راہ میں آگے بڑھنے کا نتیجہ خطا اور خسران کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ہمارا عقیدہ تو یہ ہونا چاہیے:

جتنے فضائل جتنے محاسن، ممکن میں ہوسکتے تھے ممکن حق نے کیے سب اس میں فراہم صلی اللہ علیہ وسلم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أِنَّمَا بُعِثْتُ لأَتَمِّمَ صَالِحَ الأَخْلَاقِ۔

(مسند احمد، كتاب باقي مسند المكثرين)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میں خاص اس کام کے لیے بھیجا گیا ہوں کہ (اپنی تعلیم اور عمل سے) بہترین اخلاق کی تکمیل کردوں۔''

فائدہ:

انسانی زندگی میں اخلاق و اعمال بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ ایک انسان کو دوسرے انسان پر جو فوقیت و برتری حاصل ہوتی ہے وہ اخلاق و اعمال ہی کے سبب حاصل ہے۔ انسان اگر اخلاق سے عاری ہوجائے تو پھر وہ جانور سے بھی بدتر ہے۔ پھول رنگ و بو بکھیرتا ہے جس سے ہماری طبیعت کو فرحت حاصل ہوتی ہے لیکن اخلاق وہ حسن و خوشبو ہے جو قلب و روح کو معطر کرتی ہے۔ اس لیے ماننا پڑے گا کہ جو حسن و لطافت اخلاق میں ہے وہ کسی دوسری چیز میں نہیں ہے۔ ہمارے اعمال ہمارے اخلاق کے ترجمان ہوتے ہیں۔ اچھے اعمال اخلاقی پاکیزگی کے بغیر ظہور میں نہیں آسکتے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث پاک میں اپنی بعثت کا اولین مقصد اور اپنی دعوت کا طریقہ کار واضح فرمایا ہے۔ وہ عظیم دعوت جس نے تاریخ انسانی میں نہ مٹنے والے نقوش ثبت کیے اور جس کی کرنوں کو پھیلانے اور اس کے گرد لوگوں کو اکھٹا کرنے کے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انتھک جدوجہد فرمائی اس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ لوگوں کے اخلاق حسنہ کو مضبوط و مستحکم بنایا جائے۔ وہ تمام فرائض جنہیں اسلام نے اپنے نام لیواؤں پر فرض کیے ہیں اس بات کی مشق و تربیت ہے کہ انسان صحیح اخلاق وعادات کے سائے میں زندہ رہنے کا عادی بن سکے اور ان فضائل سے زندگی کی آخری سانس تک وابستہ رہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ کے بارے میں خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور ساری کائنات کے خالق و مالک نے اپنی کتاب مبین قرآن کریم میں اس طرح فرمایا:

﴿وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ۔﴾ (قلم:۴)

اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) بے شک! آپ صلی اللہ علیہ وسلم اخلاق کے بلند مرتبے پر فائز ہیں۔

قرآن کریم نے جس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ سلم کو رفعت و فضیلت کا یہ تاج عطا فرمایا تھا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ سلم کے اخلاق حسنہ کو جس امتیاز کی بنا پر خلق عظیم کا مقام حاصل ہوا دراصل تبلیغ اسلام کا یہ وہ دور تھا جب کفر و شرک کی ساری طاقتیں اپنے پورے ساز و سامان کے ساتھ اس راہ میں رکاوٹ بن رہی تھیں۔ کفار حشر و نشر کا انکار کرسکتے تھے اور انہوں نے کیا۔ اللہ کی وحدانیت کا بھی انکار کرسکتے تھے اور انہوں نے یہ بھی کیا۔ لیکن ایک چیز ایسی تھی جس کے انکار کی وہ کبھی جرات نہیں کرسکتے تھے وہ آپ صلی اللہ علیہ سلم کی امانت وصداقت۔ آپ صلی اللہ علیہ سلم کا عدل و انصاف اور آپ صلی اللہ علیہ سلم کی راست بازی۔ انہیں جب آپ صلی اللہ علیہ سلم کے اخلاق پر انگشت نمائی کا موقع نہ ملا تو انہوں نے اس دعوت حق کے سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ سلم پر الزام جنون عائد کیا۔ یہ الزام ان کافروں کے فکری تضاد کا مظہر تھا اور جو ہر دور کے گمراہوں کا طرہ امتیاز ہے کہ جب وہ دعوت حق کو روکنے میں ناکام ہوجاتے ہیں تو الزام تراشی پر اتر آتے ہیں۔ اس الزام کی تردید کرتے ہوئے فرمایا جارہا ہے کہ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کریمانہ اخلاق اور صفات عالیہ کا اندازہ ان احادیث سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

☆ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ: میں نے دس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی مجھے اف کا کلمہ بھی نہیں فرمایا اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ تم نے یہ کام کیوں نہیں کیا، (بحوالہ بخاری و مسلم)۔ دس سالہ خدمت کے دوران خادم کو اس کے کسی کام پر نہ ٹوکنا اور نہ جھڑکنا۔ یہ حسن اخلاق کا وہ اعلیٰ ترین نمونہ ہے، جس کی دوسری نظیر پیش نہیں کی جاسکتی۔ کاش امت بھی اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اعلی اخلاق کو اختیار کرے۔

☆ حضرت صفیہ بنت حییّ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بقول میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ خوش اخلاق کسی کو نہیں دیکھا۔ (بحوالہ طبرانی)

☆ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو بداخلاق تھے اور نہ بداخلاق بننے کی کوشش فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بازاروں میں چیخنے چلانے والے نہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زیادتی کرنے والے کو معاف فرمادیتے اور اس کی غلطیوں سے درگزر فرماتے تھے۔ (بحوالہ ترمذی)

☆ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق (تعلیم) قرآن کا نمونہ تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلتے پھرتے قرآن تھے۔(بحوالہ مسلم)

ان احادیث سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق سب سے اعلیٰ و افضل تھے۔زندگی کا اصل سکون و راحت اور آخرت کا تمام اطمینان و انعام اچھے اخلاق ہی کی بدولت ملے گا۔اسی لیے اس کی اتنی اہمیت بیان کی گئی ہے۔امت میں وہی شخص سب سے زیادہ افضل ہے جو سب سے زیادہ خدا ترس اور خوش اخلاق ہو،اللہ اور بندوں دونوں کے حقوق ادا کرتا ہو،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کے بعد اخلاق حسنہ کو اختیار کرنے پر بڑا زور دیا ہے اور اس کو انسان کی سعادت اور نیک بختی کا سبب قرار دیا ہے۔حسن اخلاق کی اہمیت کا اندازہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے بخوبی معلوم ہوتا ہے۔مثال کے طور پر چند فرمان رسالت اور ان کی جامعیت پر غور فرمائیے۔

☆تم میں سب سے زیادہ مجھے وہ لوگ محبوب ہیں جو تم میں اخلاق کے لحاظ سے سب سے اچھے ہوں۔(بحوالہ بخاری)

☆تم میں بہتر وہ ہے جو اخلاق میں تم میں سب سے اچھا ہو۔(بحوالہ بخاری و مسلم)

☆ قیامت کے دن مومن کی میزان اعمال میں جو سب سے زیادہ وزنی چیز رکھی جائے گی وہ اس کے اچھے اخلاق ہوں گے۔(بحوالہ ابوداود و ترمذی)

☆مومن اپنے اچھے اخلاق کی بدولت روزہ دار اور عبادت گزار کا درجہ پالیتا ہے۔(بحوالہ ابوداود)

☆رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر شریف کے آخری دور میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو داعی و معلم اور حاکم بنا کر یمن بھیجا تو آخری نصیحت یہ فرمائی: دیکھو سب لوگوں سے اچھے اخلاق کا برتاؤ کرنا۔(بحوالہ موطا امام مالک)

☆میں اس شخص کے لیے جنت کے سامنے ایک گھر کی ضمانت دیتا ہوں جس نے حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دیا اور اس شخص کے لیے جنت کے درمیان ایک گھر کی ضمانت دیتا ہوں جس نے جھوٹ چھوڑ دیا اگرچہ وہ مزاحاً بولتا رہا اور اس شخص کے لیے میں جنت کے سب سے بلند حصہ میں ایک گھر کا ضامن ہوں جس کے اخلاق اچھے ہوں۔(بحوالہ ابوداود)

ان احادیث کی روشنی میں یہ بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے انسان اخلاق کے سوا کچھ نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ نے جس طرح تکمیل دین کا اعلان فرما کر ساری دنیا کو بتادیا کہ اب کسی نبی کی بعثت اور کتاب کا نزول نہ ہوگا اسی طرح اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم کہہ کر یہ بھی بتادیا کہ اب اس سے بڑھ کر کمال اخلاق کا کوئی اور مرتبہ نہیں ہے۔اگر تاریخ عالم میں تمام انسانوں کے لیے کسی کے اخلاق کو قابل تقلید نمونہ کہہ سکتے ہیں تو وہ صرف اور صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا اخلاق حسنہ ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود یہ دعا کثرت سے کیا کرتے تھے اور اس کی تلقین و تاکید دوسروں کو بھی کیا کرتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ أَحْسَنْتَ خَلْقِیْ فَأَحْسِنْ خُلُقِیْ وَاھْدِنِیْ لِاَحْسَنِ الْاَخْلَاقِ لَایَھْدِیْ لِاَحْسَنِھَا اِلَّااَنْتَ وَاصْرِفْ عَنِّیْ سَیِّئَھَا وَلَا یَصْرِفُ عَنِّیْ سَیِّئَھَا اِلاّ اَنْتَ۔

اے اللہ! تو نے میری ظاہری بناوٹ اچھی بنائی ہے۔اسی طرح میرے اخلاق بھی اچھے کردے،تو مجھ کو بہترین اخلاق رہبری فرما،تیرے سوا کوئی بہتر اخلاق کی رہنمائی نہیں کرسکتا۔اور برے اخلاق کو مجھ سے ہٹادے،ان کو تیرے سوا کوئی نہیں ہٹا سکتا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو زندگی کے اس اہم شعبہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی کامل اتباع نصیب فرمائے۔آمین!

نبی رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا عفو و درگزر

عَنْ عَائِشَةَ مَا ضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا قَطُّ بِيَدِهٖ وَلَا امْرَاَةً وَلَا خَادِمًا اِلَّا اَنْ يُّجَاهِدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا نِيْلَ مِنْهُ شَيْءٌ قَطُّ فَيَنْتَقِمُ مِنْ صَاحِبِهٖ اِلَّا اَنْ يُّنْتَهَكَ شَيْئًا مِّنْ مَّحَارِمِ اللّٰهِ فَيَنْتَقِمُ لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ.

(صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب مباعدته صلی الله علیه وسلم للآثام و اختیاره من المباح اسهله و انتقامه لله عند انتهاک حرماته)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ: ''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا نہ کسی عورت کو نہ کسی خادم کو، البتہ جہاد فی سبیل اللہ کے سلسلہ میں ضرور ایسا ہوا ہے۔اور کبھی ایسا نہ ہوا کہ کسی شخص کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچانے والی کوئی حرکت کی گئی ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے انتقام لیا ہو (بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذاتی معاملات میں عفو اور درگزر ہی کا معاملہ فرماتے تھے) البتہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں میں سے کسی فعل کا ارتکاب کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے لیے (یعنی فرمان خداوندی کی تعمیل میں) اس مجرم کو سزا دیتے (یا سزا دینے کا حکم فرماتے) تھے۔''

فائدہ:

یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں کہ رب العالمین نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بے شمار صفات عطا فرمائی تھیں۔آپ مبلغ بھی تھے، مصلح بھی تھے، معلم بھی تھے، مجاہد بھی تھے، حاکم وقت بھی تھے۔زاہد بھی تھے، منصف بھی تھے، تاجر بھی تھے، عابد شب زندہ دار بھی تھے، سخی بھی تھے، غریبوں کے غم خوار بھی۔اخلاق کے اعلیٰ اوصاف سے بھی آپ متصف تھے۔اور انسانیت کی معمولی سی معمولی اچھائیاں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔مگر ایک ایسی صفت جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر موجود تھی جو بہت کمیاب بلکہ نایاب ہے وہ ہے عفو و درگزر۔یعنی انتقام لینے کی پوری طاقت کے باوجود اپنے مجرم کو معاف فرما دینا۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری حیات طیبہ اس سلسلہ میں بے شمار واقعات سے لبریز ہے اور جیسا کہ اس حدیث پاک سے بھی بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔اس حدیث پاک میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے متعلق بتایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی غلطی یا لغزش پر کسی کو نہیں مارا یہاں تک کہ نہ کبھی کسی خادم پر ہاتھ اٹھایا نہ کسی عورت پر۔البتہ جہاد فی سبیل اللہ میں اللہ تعالیٰ کی رضا ہی کے لیے اللہ تعالیٰ کے دشمن پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھایا ہے ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کسی بدبخت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچائی ہو یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدتمیزی کی ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے انتقام لیا ہو۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات کے معاملے میں ہمیشہ عفو و درگزر ہی سے کام لیتے تھے۔چنانچہ غزوہ بدر میں مشرکین مکہ کا سردار ابی بن خلف آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ہاتھوں ہلاک ہوا۔البتہ اگر کوئی شخص کسی حرام فعل اور جرم کا ارتکاب کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو سزا دیتے تھے لیکن یہ سزا نفس کے تقاضے اور طبیعت کے غصہ سے نہیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اور اس کے حکم کی تعمیل میں دی جاتی تھی۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحم دلی، عفو و درگزر اور خدا ترسی کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

☆ ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے سو گئے، تلوار ٹہنی سے لٹکا دی، ایک دشمن آیا تلوار اٹھائی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گستاخی سے جگایا اور پوچھا اب کون تم کو بچائے گا۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ! یہ سن کر وہ شخص رعب و ہیبت سے گر پڑا۔تلوار ہاتھ سے چھوٹ گئی۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار اٹھالی اور فرمایا اب تجھے کون بچا سکتا ہے۔وہ حیران ہو گیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جاؤ میں بدلہ نہیں لیا کرتا۔

☆ غزوۂ احد میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے چار دانت شہید ہو گئے سر مبارک اور چہرہ انور بھی زخمی ہو گیا یہ دیکھ کر صحابہ کرام نے رنج و اضطراب کی حالت میں گزارش کی یا رسول اللہ! کاش آپ ان دشمنان دین پر بددعا کرتے۔اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں لعنت اور بددعا کے لیے نہیں بھیجا گیا۔بلکہ لوگوں کو راہ حق کی طرف بلانے کے لیے بھیجا گیا ہوں۔

☆ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد مکہ میں سخت قحط پڑا۔نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ قریش کھال اور مردار کھانے لگے۔ابوسفیان کو یہ بات معلوم تھی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول ہوتی ہے وہ مدینہ پہنچا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے التجا کی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی قوم قحط سے ہلاک ہو رہی ہے۔آپ ان کے لیے دعا کیجیے۔اس کے جواب میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ میں کیوں دعا کروں؟ جنہوں نے مجھے اور میرے ساتھیوں کو تکلیفیں پہنچائیں اور ہمیں اپنے گھروں سے نکالا بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فی الفور دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے قحط سالی کو دور فرما دیا۔

☆ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تکلیفیں اٹھائیں لیکن سخت ترین وہ دن تھا جب آپ تبلیغ کے لیے طائف گئے۔ وہاں دعوت اسلام کے جواب میں لوگ سخت بداخلاقی سے پیش آئے اور اوباشوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے لگا دیا۔ ان بدمعاشوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر برسائے۔ جس کے نتیجے میں جسم مبارک لہولہان ہوگیا اور نعلین مبارک میں خون بھر گیا۔ اور بڑی مشکل سے ایک باغ میں انگور کی بیلوں میں پناہ لی۔ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ میرے لیے سخت ترین تھا میں باغ سے نکل کر غم زدہ آ رہا تھا اچانک بادل کے ایک ٹکڑے نے میرے اوپر سایہ کر دیا میں نے جو نظر اٹھا کر دیکھا تو پہاڑوں پر مامور فرشتہ تھا۔ اس نے کہا جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوا اللہ تعالیٰ نے اسے دیکھا اور اگر آپ کی مرضی ہو تو طائف کے دونوں پہاڑوں کو باہم ملا کر یہاں کی جملہ آبادی کو تہس نہس کر دیا جائے۔ میں نے کہا نہیں! میں ان کی ہلاکت و بربادی نہیں چاہتا، بلکہ مجھے اللہ کے فضل سے امید ہے کہ اللہ ان میں سے ایسے لوگ پیدا کرے گا جو اللہ واحد کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ عفو و درگزر کا یہی نتیجہ نکلا کہ گیارہ سال بعد یہی اہل طائف تھے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت سے دست بردار ہو کر آپ کے قدموں میں گر پڑے۔

☆ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عفو و درگزر اور رحمدلی و خداترسی کا یہ جذبہ میدان جنگ میں بھی رہتا تھا۔ بدر کے میدان جنگ میں لڑائی شروع ہونے سے پہلے مشرکین کی فوج کے آدمی اس حوض پر پانی پینے آئے جو اسلامی لشکر کے قبضے میں تھا۔ مسلمانوں کی فوج نے یہ حوض اپنی ضرورت کے لیے تیار کیا تھا۔ صحابہ کرام نے مشرکین کو پانی پینے سے روکنا چاہا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانی پینے سے منع نہ کرو، پینے دو۔

☆ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عفو و درگزر کا سب سے اہم واقع فتح مکہ کا ہے۔ فتح کے بعد فاتح قوم، مفتوح قوم سے بڑا سنگدلانہ اور بے رحمانہ سلوک کرتی ہے۔ قدیم اور جدید عہد کی تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دشمنوں پر مکمل دسترس حاصل کرنے کے بعد رحمدلی، خداترسی اور عفو و درگزر کی ایسی تاریخ رقم کی ہے جس کی مثال پوری تاریخ انسانیت میں نہیں ملتی۔ مکہ فتح ہوا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حرم کعبہ میں داخل ہوئے۔ اس روز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑا ہی ایمان افروز خطبہ دیا جو صرف مکے والوں کے لیے نہ تھا بلکہ رہتی دنیا تک کے لیے ہے۔ خطبہ سے فارغ ہوئے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجمع پر نظر ڈالی ہر طرف سناٹا تھا۔ لوگوں پر حیرت و ہیبت طاری تھی۔ یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے چند سال پہلے آپ کو مکے سے نکالا تھا۔ ان میں وہ بھی تھے جنہوں نے آپ کے ساتھ انتہا درجے کی بدتمیزیاں کرتے تھے۔ وہ بھی تھے جنہوں نے طنز و تشنیع سے آپ کا دل دکھایا تھا۔ وہ بھی تھے جنہوں نے شان رسالت میں گستاخیاں کی تھیں۔ وہ بھی تھے جنہوں نے آپ کے راستے میں غلاظتیں پھینکی تھیں اور کانٹے بچھائے تھے۔ وہ بھی تھے جنہوں نے پتھر برسا کر آپ کی ایڑیوں کو لہولہان کر دیا تھا۔ وہ بھی تھے جنہوں نے مدینے پہنچ کر بھی آپ کو ہراساں کرنے کی کوشش جاری رکھی تھی۔ وہ بھی تھے جنہوں نے تپتی ریت پر مسلمانوں کو لٹا کر ان کے سینوں کو زنجیروں میں جکڑ کر پتھریلی زمینوں پر گھسیٹا تھا۔ وہ بھی تھے جنہوں نے سعید روحوں کو شعب ابی طالب میں قید کر کے کچے چمڑے اور درختوں کی کھال کھانے پر مجبور کیا تھا۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب پر ایک نظر ڈالی اور پر ہیبت لہجے میں پوچھا، جانتے ہو آج میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟ بے بسی اور ندامت کے عالم میں ہر طرف سے ایک ہی رحم طلب صدا گونجی۔ اَخٌ کَرِیۡمٌ وَ ابۡنُ اَخٍ کَرِیۡمٍ۔ آپ عالی ظرف اور شریف بھائی ہیں اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا: لَاتَثۡرِیۡبَ عَلَیۡکُمُ الۡیَوۡمَ اِذۡهَبُوۡ فَاَنۡتُمُ الطُّلَقَاءُ۔ آج تم پر کوئی گرفت نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو۔ عالی ظرف فاتح نے اپنے عفو و درگزر سے ان کے جسموں کو تو آزاد کر دیا مگر ان کے دلوں پر قبضہ کر لیا۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی سب سے بڑا کارنامہ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَنَمًا بَيْنَ جَبَلَيْنِ فَأَعْطَاهُ إِيَّاهُ فَأَتَى قَوْمَهُ فَقَالَ أَىْ قَوْمِ أَسْلِمُوا فَوَاللّٰهِ إِنَّ مُحَمَّدًا لَيُعْطِي عَطَاءً مَا يَخَافُ الْفَقْرَ۔

(صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب ما سئل رسول الله صلی الله علیه وسلم شیئا قط فقال لا و کثرة عطائه)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی بکریاں مانگیں جو پہاڑوں کے درمیانی نالے کو بھر دیں چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اتنی بکریاں دے دیں، اس کے بعد وہ شخص اپنی قوم میں آیا اور کہا: ''اے میری قوم کے لوگو! اسلام قبول کرلو، اللہ کی قسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم اتنا دیتے ہیں کہ فقر وافلاس سے بھی نہیں ڈرتے۔''

فائدہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم افضل الخلائق تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا انتہائے کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ آپ رحمۃ للعالمین تھے اور آپ کی ذات کے ہر پہلو میں یہ وصف اجاگر ہے۔ جود وسخا اور عطا وبخشش میں بھی آپ مخلوق خدا پر رحمت فگن تھے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے سوال کیا ہو اور آپ نے اس کو انکار کردیا ہو، (بحوالہ بخاری)۔ جب کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مانگتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتا تو فوراً دے دیتے تھے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دینے کو کچھ نہ ہوتا تو اس صورت میں بھی اسے انکار نہ کرتے بلکہ یا تو خاموشی اختیار کرلیتے یا مناسب الفاظ میں عذر فرمالیتے۔

ایک مرتبہ ایک دیہاتی عین اقامت نماز کے وقت آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن پکڑ کر کہا کہ میری ایک حاجت باقی رہ گئی ہے خوف ہے کہ میں اس کو بھول جاؤں گا اس کو پورا کردیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ تشریف لے گئے اور اس کی ضرورت پوری فرمادی اور پھر نماز پڑھی۔

آپ کی جود وسخا کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ ایک شخص سے ایک چیز خرید لیتے، اس کی قیمت چکا کر وہ چیز اسی کو ہدیہ فرما دیتے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر احد کا پہاڑ میرے لیے سونا ہوجائے تو میں کبھی پسند نہیں کروں گا کہ تین راتیں گزر جائیں اور میرے پاس ایک دینار بھی رہ جائے، لیکن ہاں وہ دینار جس کو میں ادائے قرض کے لیے چھوڑ دوں، (بحوالہ بخاری)۔

ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس غلہ آیا جو چار اونٹوں پر لدا ہوا تھا۔ اس کا کچھ حصہ بازار میں فروخت کردیا گیا اور جس سے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک یہودی کا قرض ادا کیا۔ کچھ غلہ البتہ بچ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تک کچھ باقی رہے گا میں نہیں جاسکتا۔'' اور وہ رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں بسر فرمائی، (بحوالہ ابوداود)۔

ایک بار نماز عصر کے بعد خلاف معمول گھر تشریف لے گئے اور فوراً ہی باہر تشریف لے آئے۔ اصحاب رضی اللہ عنہم کو تعجب ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ کو نماز میں خیال آیا کہ کچھ سونا گھر میں پڑا رہ گیا ہے مجھے خیال ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ رات ہوجائے اور وہ گھر میں پڑا رہ جائے اس لیے جا کر اس کو خیرات کردینے کو کہہ آیا، (بحوالہ بخاری)۔

ایک دفعہ ایک شخص نے کچھ مانگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ہے، تم میرے ساتھ آؤ۔'' سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہمراہ تھے انہوں نے عرض کیا: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ نہیں تو آپ پر کیا ذمہ داری ہے؟'' ایک اور صاحب بھی حاضر خدمت تھے، انہوں نے عرض کیا: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ دیے جائیں اور عرش والے سے بےفکر ہوجائیں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو محتاج نہ کرے گا۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرط مسرت سے مسکرا دیے، (الادب المفرد)۔

آپ کا حکم تھا کہ جو مسلمان قرض چھوڑ کر مرجائے وہ میرے ذمہ اور اس کا مال اس کے وارثوں کا، (بحولہ ابوداود)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عزم و یقین

عَنْ خَبَّابِ بْنِ الْاَرَتِّ قَالَ شَكَوْنَا اِلٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ هُوَ مُتَوَسِّدٌ بُرْدَةً لَهُ فِي ظِلِّ الْكَعْبَةِ فَقُلْنَا اَلَا تَسْتَنْصِرُ لَنَا اَلَا تَدْعُو لَنَا فَقَالَ قَدْ كَانَ مِنْ قَبْلِكُمْ يُؤْخَذُ الرَّجُلُ فَيُحْفَرُ لَهُ فِي الْاَرْضِ فَيُجْعَلُ فِيْهَا فَيُجَاءُ بِالْمِنْشَارِ فَيُوْضَعُ عَلٰى رَاْسِهٖ فَيُجْعَلُ نِصْفَيْنِ وَ يُمْشَطُ بِاَمْشَاطِ الْحَدِيْدِ مَا دُوْنَ لَحْمِهٖ وَ عَظْمِهٖ فَمَا يَصُدُّهُ عَنْ دِيْنِهٖ وَاللّٰهِ لَيَتِمَّنَّ اللّٰهُ هٰذَا الْاَمْرُ حَتّٰى يَسِيْرَ الرَّاكِبُ مِنْ صُنْعَاءَ اِلٰى حَضْرَمُوْتَ مَا يَخَافُ اِلَّا اللّٰهَ وَ الذِّئْبَ عَلٰى غَنَمِهٖ وَ لٰكِنَّكُمْ تَسْتَعْجِلُوْنَ.

(صحيح البخاری، کتاب الاکراہ، باب اختار الضرب و القتل و الهوان على الكفر)

حضرت خباب بن ارت بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی (کفار کے ظلم وستم کی) جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے سائے میں اپنی چادر پر تشریف فرما تھے۔ ہم نے عرض کیا: ''آپ (اللہ سے) ہمارے لیے نصرت کیوں نہیں مانگتے دعا کیوں نہیں مانگتے؟'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم سے پہلے (انبیا اور ان کے ماننے) والوں کا حال یہ تھا کہ ان میں سے کسی ایک کو پکڑ لیا جاتا تھا اور گڑھا کھود کر اس میں انہیں ڈال دیا جاتا تھا، پھر آرا لایا جاتا تھا اور ان کے سر پر رکھ کر اس کے دو ٹکڑے کر دیا جاتا اور لوہے کے کنگھے ان کے گوشت اور ہڈیوں میں دھنسا دیے جاتے تھے لیکن یہ آزمائش بھی ان کو اپنے دین سے نہیں روک سکتی تھی۔ اللہ گواہ ہے اس امر (اسلام) کا کام مکمل ہوگا اور ایک سوار صنعا سے حضرموت تک (تنہا) جائے گا اور اسے اللہ کے سوا اور کسی (لوٹ وغیرہ) کا خطرہ نہ ہوگا۔ لیکن تم جلدی کرتے ہو۔

<u>فائدہ:</u>

چشم تصور سے ہم اس انسان کو دیکھیں جو ایک وادی میں پیغام توحید لے کر اٹھتا ہے ایک ایسی قوم کے درمیان جس کا عقیدہ وعمل اس کے بالکل برخلاف ہے۔ خواص وعوام سب اس میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ ماحول جان لیوا ہے۔ سازشوں کا زور ہے۔ کوئی بات سننے کو تیار نہیں۔ بہت کوششوں اور کاوشوں کے بعد مٹھی بھر افراد تیار ہوتے ہیں اور ان میں اکثر وہ ہیں جن کی معاشرتی حیثیت نہ ہونے کے برابر ہے اور وہ ظلم و زیادتی کی چکی میں پس رہے ہیں اور ایسے میں نبی حق نبی آخر صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ یقیناً اللہ اس کام کو پورا کرے گا اور ایک سوار یمن سے چلے گا اور راستے میں اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا۔ یہ بات ایک بڑ سے زیادہ کیا حیثیت رکھتی تھی جب ہم اس وقت کے عرب معاشرے کو سامنے رکھیں جہاں قافلے لٹ جاتے تھے وہاں ایک تنہا انسان کا بحفاظت اپنی منزل پر پہنچ جانے کی بات خواب سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی تھی لیکن آنے والے وقت نے اس کو ایک حقیقت کا روپ اختیار کرتے دیکھا اور عرب امن و آشتی کا وہ گہوارہ بن گیا کہ جس کا تصور بھی مشکل تھا۔ اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات بھی پوری ہوئی کہ اللہ اس کام کو پورا کرے گا اور نہ صرف وادی مکہ بلکہ آج زمین کے ہر ہر حصے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی کے آثار موجود ہیں۔ یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس گہرے یقین وشعور کا اظہار ہے جو آپ کو اپنی دعوت پر تھا اور جس کا ہر ہر موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اظہار فرماتے رہے۔ یہ یقین آپ کی داعیانہ زندگی کا بنیادی وصف تھا اور آپ کی ۲۳ سالہ حیات میں آپ کا امتیازی جوہر تھا۔

دعوت ابھی مکہ کی سنگلاخ وادی میں تھی اور مکہ کے مشرکوں پر ایک خدائی تازیانہ بن کر پڑ رہی تھی کہ وہ ایک وفد کی صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کے پاس پہنچے یہ درخواست لے کر کہ اپنے بھتیجے کو اس کام روکیں بصورت دیگر ہم جنگ چھیڑ دیں گے۔ ابوطالب نے اس دباؤ کو محسوس کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا اظہار بھی کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے عزم و یقین سے فرمایا: ''چچا جان! اللہ کی قسم اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیں کہ میں اس کام کو چھوڑ دوں تو یہ ناممکن ہے، یا تو یہ کام پورا ہوگا یا میری جان بھی اسی میں کام آئے گی۔'' داعی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات اس یقین اور اطمینان کا بہترین اظہار تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے رب پر تھا جس کے سامنے کسی مخالفت اور ظلم کی کوئی حیثیت نہیں۔ ایک موقع پر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حرم کعبہ میں تھے اور مکہ کے اور سرداروں کے ساتھ ابوجہل بھی وہاں موجود تھا۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے استہزا کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل سے فرمایا: ''سن لو! وہ وقت آرہا ہے ہاں بہت تیزی سے آرہا ہے جب ساری ہنسی غائب ہوجائے گی اور تم خون کے آنسو روؤ گے۔'' پھر قریش سے فرمایا: ''تمہارے لیے وہ وقت قریب آرہا ہے کہ جس دین کا انکار کر رہے ہو بالآخر اسی میں داخل ہوجاؤ گے۔''

ایک اور موقعے پر قریش کے ٹھاکروں نے اس دعوت توحید کو روکنے کے لیے ابوطالب کے ذریعے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے چچا، میں تو ان کو صرف ایک کلمے کی دعوت دیتا ہوں اگر عرب اس کو مان لیں گے تو عجم ان کو جزیہ دیں گے۔ وہ کلمہ ہے لا الہ الا اللہ''، (بحوالہ احمد)۔ اس بے سروسامانی میں جب کہ ہر وقت جان کا خطرہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اس یقین کا غماز ہے جو آپ صلی اللہ علیہ

وسلم کو اپنی دعوت پر تھا جس کے پیچھے اس عقیدے کی قوت کارفرما تھی کہ کامیابی اور ناکامی، نفع وضرر صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

معرکہ حنین میں جب مسلمانوں کا لشکر کافروں کے غیر متوقع حملے کی وجہ سے تتر بتر ہو چکا تھا اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم چند جانثاروں کے ساتھ تنہا رہ گئے تھے عین اس وقت اسی عزم ویقین کے ساتھ فرما رہے تھے: ''اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبَ اَنَا ابْنُ عَبْدُالْمُطَّلِب، یا اللہ اپنی مدد اتار۔''، (صحیح مسلم)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا سے بے رغبتی

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ قَالَ نَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی حَصِیْرٍ فَقَامَ وَ قَدْ اَثَّرَ فِیْ جَنْبِہٖ فَقُلْنَا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَوْ اتَّخَذْنَا لَکَ وَطَاءً فَقَالَ مَالِی وَ مَا لِلدُّنْیَا مَا اَنَا فِی الدُّنْیَا اِلَّا کَرَاکِبٍ اسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَۃٍ ثُمَّ رَاحَ وَ تَرَکَھَا.

(سنن الترمذی، کتاب الزھد، باب ما جاء فی اخذ المال بحقه)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹائی پر لیٹے اور (جب) اٹھے تو آپ کے پہلو مبارک پر اس (چٹائی) کے نشان پڑ گئے۔ ہم نے عرض کیا: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر (آپ اجازت دیں تو) ہم نرم بستر لے آئیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: ''مجھے اس دنیا سے کیا کام، میں تو اس مسافر کی طرح ہوں جو راستے میں چلتے چلتے کسی درخت کے سائے میں آرام کرلے اور وہاں سے آگے بڑھ جائے۔''

فائدہ:

تاریخ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم جیسی دوسری کوئی دوسری شخصیت پیش نہیں کرسکتی جس کے قدموں میں عرب وعجم کی دولت پڑی ہو اور اس کے گھر میں فاقہ ہورہا۔ جو دوسروں کو خادم دے رہا ہو اور جب اس کی اپنی بیٹی ایک خادم مانگنے آئے تو اسے کہہ دیا جائے کہ ابھی تو صفہ کے مسکینوں کا حق باقی ہے، (بحوالہ ابوداود)۔ جو دونوں ہاتھوں سے لٹائے اور جب اپنے لیے دعا مانگے تو کہے: ''الٰہی مجھے ایک دن کھانے کو ملے اور ایک دن بھوکا رہوں اور بھوک میں تیرے سامنے گڑگڑاؤں اور تجھے یاد کروں اور جس دن کھاؤں تو تیری حمد وثنا کروں۔'' (بحوالہ ترمذی)۔ یہ دعا اس وقت مانگی جب خالق کائنات نے اپنے حبیب سے فرمایا کہ تمہارے واسطے مکہ کی وادی کو سونے کا بنا دیا جائے۔ ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد آتا ہے: ''اے ابوذر، اگر میرے پاس احد جتنا سونا ہوتو میں یہ پسند نہیں کرتا کہ وہ تین دن سے زائد میرے پاس جمع رہے، ہاں اگر ایسا ہوتو میں اپنے قرضے کے مطابق رکھ لوں اور باقی سب کا سب بانٹ دوں۔''، (بحوالہ بخاری)۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بتاتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ آکر مسلسل تین دن تک گیہوں کی روٹی کبھی نہ کھائی، (بحوالہ بخاری)۔ کاشانہ نبوت کا حال یہ تھا کہ بعض اوقات مہینہ بھر چولہا جلانے کی نوبت نہ آتی تھی، صرف کھجور اور پانی پر گزارا ہوتا تھا، (بحوالہ بخاری)۔ عین اس وقت جب صحابہ کرام مال و دولت سے سرفراز تھے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے خشک چھوہارے تناول فرماتے تھے کہ جو کوئی اور صاحب حیثیت کھانا پسند نہ فرماتا تھا، (بحوالہ مسلم)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زہد وفقر اختیاری تھا۔ نہ کہ مجبوری کے باعث۔ آپ کا بستر مبارک ٹاٹ کا ایک ٹکڑا تھا جس پر آپ رات بسر فرماتے تھے، ایک مرتبہ اسی ٹاٹ کو چوہرا کردیا گیا تاکہ وہ کچھ آرام دہ ہوجائے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمادیا، (بحوالہ ترمذی)۔ ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بتاتی ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فاقے کی حالت دیکھ کر رو پڑتی تھی اپنا ہاتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیٹ پر پھیرا کرتی تھی اور کہا کرتی تھی قربان جاؤں دنیا سے اتنا قبول کرلیجیے جو جسمانی طاقت کو قائم رکھنے کے لیے کافی ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: ''عائشہ مجھے دنیا سے کیا کام میرے بلند ہمت بھائی رسول تو اس سے بھی زیادہ صبر کیا کرتے تھے وہ اسی چال پر چلے اور اللہ کے سامنے گئے۔ اللہ نے ان کا اکرام کیا اب اگر میں آسودگی کی زندگی پسند کرتا ہوں تو مجھے یہ شرم آتی ہے کہ اس صفت میں کل ان سے کم رہ جاؤں گا۔'' آپ کا ارشادگرامی ہے: ''ہم انبیا نہ کسی کے وارث ہوتے ہیں نہ ہمارا کوئی وارث ہوتا ہے، ہم جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔''، (بحوالہ مسند احمد)۔

آپ کے زہد کا عالم یہ تھا کہ وصال کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زرہ ایک یہودی کے پاس اناج کے بدلے رہن رکھی ہوئی تھی، (بخاری)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا زہد صرف اپنی ذات کے لیے نہ تھا بلکہ ہر وہ شخص جو آپ سے محبت کرتا تھا اسے اسی بے رغبتی کی تعلیم دیتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر بتاتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی کہ دنیا میں اجنبی کی طرح رہ یا مسافر کی طرح رہ، (بحوالہ بخاری)۔ اور خود حضرت عبداللہ فرماتے تھے: ''جب تو شام کرلے تو صبح کا منتظر مت رہ اور جب تو صبح کرلے تو شام کا انتظار مت کر''، (بحوالہ بخاری)

اپنے گھر والوں کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے: ''اے اللہ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو روزی بقدر کفاف دے''، (بحوالہ بخاری)۔ یعنی قوت لا یموت جس سے سانس کا رشتہ بدن سے قائم رہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش مزاجی

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّکَ تُدَاعِبُنَا قَالَ اِنِّی لَا اَقُوْلُ اِلَّا حَقًّا.

(سنن الترمذی، کتاب البر و الصلة، باب ما جاء فی المزاح)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام نے عرض کیا: ''کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے مزاح فرماتے ہیں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مگر جو کہتا ہوں سچ کہتا ہوں۔''

فائدہ:

خوش مزاجی اور خوش طبعی انسانی فطرت کا خاصہ ہے جو دیگر مخلوق میں نہیں پایا جاتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بتاتے ہیں کہ آپ کی شخصیت میں ایک رعب تھا جس کی وجہ سے پہلی بار ملنے والا اس کی تاب نہ لاکر آپ سے بے حد مرعوب ہوجاتا تھا، (بحوالہ ترمذی)۔لیکن اس فطری رعب کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ خوش مزاجی اور خوش طبعی کی باتیں بھی فرماتے تھے۔حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ خوش مزاجی فرماتے تھے۔''، (بخاری)۔لیکن جیسا کہ اوپر کی حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اس وقت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم حق ہی بیان فرماتے تھے۔اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد صحابہ کرام کی دلجوئی ہوتا تھا۔ یہ آپ کے داعیانہ اوصاف میں سے تھا سے اس لیے کہ آپ لوگوں کے مزاج کو سمجھتے تھے اور اپنے حسن خلق سے ان کو اپنے قریب کر لیتے تھے۔اس طرح کی خوش مزاجی اسی حسن کلام میں شامل ہے جس کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے۔فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے: ''اچھی بات بھی صدقہ ہے۔''، (بحوالہ بخاری)۔البتہ ایسا مزاح جس سے کسی کا دل دکھتا ہو وہ گناہ ہے۔ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے: ''اپنے بھائی سے جنگ و جدل اور مسخرہ پن مت کرو''، (بحوالہ ترمذی)۔اب ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش مزاجی کے چند واقعات پیش کرتے ہیں۔

☆ایک بوڑھی عورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور اپنے لیے جنت کی دعا کی درخواست کی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بوڑھے جنت میں نہ جائیں گے۔'' اس عورت کو بہت صدمہ ہوا اور وہ روتی ہوئی واپس جانے لگی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ''اسے کہہ دو کہ بڑھاپے کی حالت میں کوئی جنت میں نہیں جائے گا بلکہ جوان ہوکر جائیں گے۔''، (شمائل ترمذی)۔

☆ایک شخص نے خدمت اقدس میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ مجھے کوئی اونٹ عنایت فرمائیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میں تمہیں اونٹنی کا بچہ دوں گا۔''اس شخص نے کہا: ''میں اونٹنی کا بچہ لے کر کیا کروں گا؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی اونٹ ایسا بھی ہوتا ہے جو اونٹنی کا بچہ نہ ہو''، (بحوالہ ابوداود)۔

☆ ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خادم انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: ''اے دو کان والے۔''، (ابوداود)۔اس بات میں ظرافت کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی تعریف بھی تھی کہ وہ ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پکار پر دھیان لگائے بیٹھے ہوتے تھے۔

☆ایک صحابی جن کا نام زاہر تھا دیہات میں رہتے تھے۔انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حد محبت تھی ایک بار وہ شہر آئے اور بازار میں کچھ فروخت کررہے تھے۔اتفاق سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر بھی اسی وقت بازار سے ہوا۔آپ چپکے سے گئے اور زاہر رضی اللہ عنہ کو پیچھے سے پکڑ لیا۔انہوں نے پوچھا: ''کون ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ جب ان صحابی نے مڑ کر دیکھا تو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا تو اپنی پیٹھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک سے لپٹا دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس غلام کو کون خریدتا ہے؟'' زاہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے: ''یارسول اللہ! مجھ جیسے غلام کو جو شخص خریدے گا نقصان اٹھائے گا''، (شمائل ترمذی)۔

☆ ایک موقع پر ایک صحابی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے میں آنے کی اجازت چاہی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی۔اس پر ان صحابی نے کہا: ''کیا میں سارا ہی اندر آجاؤں یا رسول اللہ؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم سارے ہی اندر آجاؤ''، (بحوالہ ابوداود)۔صحابی کا یہ فرمانا کہ میں سارا آجاؤں اس وجہ سے تھا کہ وہ خیمہ نسبتاً چھوٹا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام تر ادب کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے رسمی تکلف کے عادی نہ تھے بلکہ اپنی سادگی اور بے ساختہ پن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسرور کرتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت حق تعالیٰ

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَمَرَهُمْ أَمَرَهُمْ مِنَ الْاَعْمَالِ بِمَا يُطِيْقُوْنَ قَالُوْا إِنَّا لَسْنَا كَهَيْئَتِکَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ غَفَرَ لَکَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَ مَا تَأَخَّرَ فَيَغْضَبُ حَتَّى يُعْرَفَ الْغَضَبُ فِي وَجْهِهِ ثُمَّ يَقُوْلُ إِنَّ أَتْقَاكُمْ وَ أَعْلَمَكُمْ بِاللّٰهِ أَنَا.

(صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم أنا أعلمکم باللہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب لوگوں کو حکم دیتے تو انہیں ان اعمال کے اختیار کرنے کا حکم دیتے جن کو اختیار کرنے کی ان میں طاقت ہوتی، لوگوں نے عرض کیا: ''یارسول اللہ، ہم آپ جیسے ہرگز نہیں، اللہ نے تو آپ کی اگلی اور پچھلی سب خطائیں معاف فرما دی ہیں۔''اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت غصہ آیا یہاں تک کہ آپ کے چہرے سے غصے کا اثر نمایاں ہورہا تھا، پھر آپ نے فرمایا:''میں تم سب سے زیادہ اللہ کا ڈر رکھتا ہوں اور تم سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والا میں ہوں۔''

فائدہ:

تقوی یعنی خوف خدا ہر نیکی کی جڑ اور ہر برائی سے بچنے کا ذریعہ ہے اور یقیناً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا کون ہوسکتا ہے اور ان سے زیادہ بڑھ کر اللہ کی معرفت کس کو حاصل ہوسکتی ہے۔اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر خشیت الٰہی کے آثار نمایاں نظر آتے تھے۔

ایک صحابی بتاتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے اطہر سے اس طرح آواز نکل رہی تھی جیسے پکتی ہوئی ہانڈی سے آواز نکلتی ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم رو رہے تھے، (بحوالہ نسائی)۔اسی معرفت وتقوی کے باعث آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیناوی راحتوں اور آسائشوں سے دور رہتے تھے۔آپ فرماتے تھے:''میں کیوں کر راحت ولذت سے لطف اندوز ہوسکتا ہوں جب کہ صورت حال یہ ہے کہ صور پھونکنے والے نے اپنی پیشانی جھکا لی ہے اور اپنے کان لگا رکھے ہیں اور اس انتظار میں ہے کہ اسے صور پھونکنے کا حکم ملے۔''صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا:''اس حالت میں آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہو:''ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔''،(بحوالہ ترمذی)۔عین وصال کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زبان اقدس پر یہ الفاظ جاری تھے:''اے اللہ میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحم کر اور مجھے رفیق سے ملا دے۔''،(بحوالہ بخاری)۔یہ اس حیات پاک کے بعد ہے جو ساری کی ساری راہ حق کی مشکلات جھیلتے ہوئے گزری۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں ایک رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدے کی حالت میں یہ فرمارہے تھے:''اے اللہ، میں تیرے غضب سے بچنے کے لیے تیری رضا کی پناہ لیتا ہوں اور تیرے عذاب سے بچنے کے لیے تیری بخشش کی پناہ چاہتا ہوں اور تیری گرفت سے بچنے کے لیے تیری ہی پناہ چاہتا ہوں۔''،(بحوالہ مسلم)۔ایک موقع پر سورج گرہن ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ڈر رہے تھے کہ کہیں قیامت کی گھڑی نہ آگئی ہو، روای بتاتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد تشریف لے گئے اور اتنے طویل قیام، رکوع اور سجدوں کے ساتھ نماز پڑھی کہ میں نے اتنے لمبے قیام، رکوع اور سجدے کرتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی نہیں دیکھا، (بحوالہ بخاری)۔اسی معرفت، خشیت و عجز کا اثر کا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''تم میں سے کسی کا کوئی عمل اسے جنت میں نہیں لے جائے گا اور نہ اسے دوزخ سے بچائے گا اور نہ مجھے ہی مگر اللہ کی رحمت سے، (بحوالہ مسلم)۔اللہ ہم پر بھی رحم فرمائے!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ جل جلالہ کی ہیبت اتنی طاری رہتی کہ آپ ہر وقت عجز و بندگی کی تصویر بنے رہتے تھے۔بہت کم کلام فرماتے، ہر وقت ذکر میں مصروف رہتے، نماز کو طویل اور خطبہ کو مختصر کرتے تھے، (بحوالہ نسائی)۔ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب ابر یا ہوا دیکھتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا تغیر صاف پہچانا جاتا تھا اس خوف سے کہیں یہ عذاب الٰہی نہ ہو، (بحوالہ بخاری)۔اسی معرفت کا ادراک تھا کہ ایک موقع پر ایک صحابی نے عرض کیا:''جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں۔'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''تو نے مجھے اللہ کا شریک ٹھہرا دیا، صرف اتنا کہو جو اللہ اکیلا چاہے۔''، (بحوالہ احمد)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مساوات فرمانا

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رِجَالًا مِنَ الْاَنْصَارِ اسْتَاْذِنُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا ائْذِنْ لَنَا فَلْنَتْرُکْ لِاِبْنِ اُخْتِنَا عَبَّاسٍ فِدَاءَ هٗ فَقَالَ لَاتَدَعُوْنَ مِنْهُ دِرْهَمًا.

(صحيح البخاری، کتاب العتق، باب اذا اسر اخو الرجل او عمه هل يفادی اذا کان مشرکا...)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (جب جنگ بدر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس گرفتار ہو کر آئے تو) بعض انصار نے (ان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ داری کی وجہ سے) عرض کیا: ''ہم اپنے بھانجے (عباس) کو فدیہ معاف کر دیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک درہم بھی مت چھوڑنا۔''

فائدہ:

جنگ بدر میں مشرکین کے جو آدمی مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہوئے تھے ان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا بھی تھے۔ ان قیدیوں کو فدیہ دے کر چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ اس حدیث میں اس موقعے پر انصار کی پیشکش کا ذکر ہے۔ لیکن اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم سے اسلام کے اصول مساوات کا واضح فرمایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ جس بات کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم حکم فرماتے تھے اس پر خود عمل کر کے دکھاتے تھے تاکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بعد میں آنے والے اس اسوۂ حسنہ میں اپنے عمل کا جائزہ لے سکیں۔ سیرت پاک میں بہت سارے واقعات ملتے ہیں جن سے آپ کے اس طرز عمل کی نشاندہی ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں چھوٹا بڑا، امیر وغریب، آزاد و غلام میں کوئی فرق نہ تھا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غلام کی دعوت قبول فرما لیتے تھے، (بیہقی)۔ آپ کی مجلس میں نئے آنے والے کو یہ بات معلوم کرنا پڑتی تھی کہ حاضرین مجلس میں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں۔ اجتماعی کاموں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مل کر کام کرتے تھے اور کسی امتیازی سلوک کو پسند نہ فرماتے تھے۔ مسجد نبوی کی تعمیر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس شامل تھے۔ آپ اپنے مبارک ہاتھوں سے اینٹیں پتھر اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے، (بحوالہ بخاری)۔ جنگ خندق میں جب کہ تمام صحابہ کھدائی کے کام میں مصروف تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ ساتھ اس کام میں لگے ہوئے تھے، (بحوالہ بخاری)۔ ایک سفر میں کھانا تیار کرنے کا موقع آیا تو تمام ہمسفر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مختلف کام اپنے ذمے لے لیے۔ لکڑیاں چننے کا کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ذمے لیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر واری تھے، نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کام کو اپنے ذمہ لینے کی خواہش ظاہر کی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنے آپ کو تم سے ممتاز نہیں کرنا چاہتا۔ غزوہ بدر میں جس میں مسلمان اسباب کے اعتبار سے انتہائی کسمپرسی کی حالت میں تھے۔ سواریاں بھی پوری نہ تھیں جس کی وجہ سے ہر سواری تین تین آدمیوں میں تقسیم کی گئی کہ باری باری بیٹھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر بھی اپنے لیے کسی امتیازی سلوک کو پسند نہ فرمایا۔ ساتھیوں نے عرض کیا کہ ہم اپنی باری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تھا: ''نہ تم مجھ سے زیادہ پیدل چل سکتے ہو اور نہ میں تم سے کم ثواب کا محتاج ہوں۔''، (مسند احمد)۔

جیسا کہ سب کو معلوم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نو بیویاں تھیں۔ لیکن آپ نے ان تمام کے ساتھ مساوات کا معاملہ برتا۔ ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بتاتی ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں کے درمیان باری اور دیگر حقوق میں پورے عدل و انصاف سے کام لیتے۔''، (ابوداود، ترمذی)۔ یہاں تک کہ اس کو اپنے مرض وفات میں بھی نبھایا۔ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ میرے والد مجھے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اپنے اس لڑکے کو ایک غلام بخش دیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: ''کیا تو نے اپنے سب لڑکوں کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا ہے؟'' انہوں نے کہا: ''نہیں۔'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد میں برابری اور مساوات کا معاملہ کرو۔'' صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانے پر میرے باپ نے اس غلام کو واپس لے لیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی اولاد سے محبت

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ دَخَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی اَبِیْ سَیْفِ الْقَیْنِ وَ کَانَ ظِئْرًا لِاِبْرَاھِیْمَ عَلَیْہِ السَّلَامَ فَاَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِبْرَاھِیْمَ فَقَبَّلَہٗ وَ شَمَّہٗ ثُمَّ دَخَلْنَا عَلَیْہِ بَعْدَ ذٰلِکَ وَ اِبْرَاھِیْمُ یَجُوْدُ بِنَفْسِہٖ فَجَعَلَتْ عَیْنَا رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَذْرِفَانِ فَقَالَ لَہٗ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَ اَنْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَقَالَ یَا ابْنِ عَوْفٍ اِنَّھَا رَحْمَۃٌ ثُمَّ اَتْبَعَھَا بِاُخْرٰی فَقَالَ اِنَّ الْعَیْنَ تَدْمَعُ وَ الْقَلْبَ یَحْزَنُ وَ لَا نَقُوْلُ اِلَّا مَا یَرْضٰی رَبُّنَا وَ اِنَّا بِفِرَاقِکَ یَااِبْرَاھِیْمَ لَمَحْزُوْنُوْنَ.

(صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم انا بک لمحزونون ...)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابوسیف لوہار کے گھر گئے وہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے) ابراہیم علیہ السلام کی دایہ کے شوہر تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابراہیم کو لیا اور ان کو پیار کیا اور سونگھا پھر جب دوبارہ ہم (ابوسیف کے) پاس گئے تو دیکھا کہ ابراہیم علیہ السلام کا دم آخر ہے (یہ دیکھ کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں بہہ پڑیں، (یہ دیکھ کر) عبدالرحمان بن عوف نے عرض کیا: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ بھی (اور لوگوں کی طرح رو رہے ہیں؟)'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے عوف کے بیٹے! یہ رحمت ہے۔'' پھر آپ دوبارہ آبدیدہ ہوگئے اور فرمایا: ''یقیناً آنکھ تو آنسو بہاتی ہے اور دل کو رنج ہوتا ہے لیکن زبان سے ہم وہی کہتے ہیں جو ہمارے رب کو پسند ہے۔ اے ابراہیم! ہم تیری جدائی سے غمگین ہیں۔''

فائدہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ہر پہلو ہمارے لیے رہنمائی اور ہدایت کا ذریعہ ہے۔ اپنی تمام تر دعوتی مصروفیات کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی گھریلو ذمہ داریاں بحسن وخوبی نبھاتے تھے۔ اپنی بیویوں اور اپنے بچوں کے حقوق کی پوری ادائیگی فرماتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ میں نے کسی کو اپنے خاندان سے اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جس قدر آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے، (مسلم)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی اولاد سے محبت حقوق العباد اور حقوق اللہ کا بہترین سنگم تھی۔ اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ ہر باپ کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بیٹے کی رحلت پر افسوس ہوا جس کا اظہار بہتے آنسوؤں سے ہوا لیکن اس کے ساتھ ہی رضائے الٰہی کو بھی نہ چھوڑا۔ یہی نمونہ ہے جس کی ہمیں اتباع کی ضرورت ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں چار بیٹیاں اور تین بیٹے تھے۔ بیٹوں کے نام قاسم، عبداللہ اور ابراہیم تھے رضی اللہ عنہم۔ یہ سب بچپن ہی میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ان میں سے ابراہیم کے علاوہ آپ کی ساری اولاد حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے تھی۔ بیٹیوں کے نام زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ عنہم تھے۔ ہر باپ کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اولاد سے بہت محبت تھی۔ آپ کا معمول تھا کہ جب سفر فرماتے تو سب سے آخر میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے جاتے اور واپسی پر سب سے پہلے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی خدمت اقدس میں حاضر ہوتیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی پیشانی چومتے اور اپنی جگہ پر ان کو بٹھاتے۔ اپنی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں جو ایک زخم کی وجہ سے وفات پا گئیں تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ میری بیٹیوں میں سب سے افضل ہے، اسے میری وجہ سے مصیبت پہنچی۔'' اپنی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد ان کی قبر کی زیارت کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، (بخاری)۔

اپنی اولاد کی اولاد سے بھی انسان کو محبت ہونا ایک فطری بات ہے۔ چنانچہ اپنی نواسی امامہ جو حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بیٹی تھیں ان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت محبت تھی۔ ان امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کندھے پر بٹھا کر مسجد میں تشریف لائے اور اسی حالت میں نماز پڑھائی، (بخاری)۔ حضرات حسنین سے بے حد محبت تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر انہیں کندھوں پر اٹھا لیتے، (ترمذی)۔ ایک موقع پر فرمایا: ''اے اللہ میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں تو بھی ان سے محبت فرما، (الادب المفرد)۔ آپ کی ایک نواسی حالت نزاع میں تھیں، آپ کی بیٹی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلوایا، دم توڑتی نواسی کو اپنی گود میں لیا۔ اس کی حالت دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، (بخاری)۔ صلبی اولاد کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ربیبہ اولاد (بعض ازواج کی اپنے پہلے شوہروں سے اولادیں) بھی تھی۔ جن میں حبیبہ، زینب، ام کلثوم اور دولڑکے عمرو اور سلمہ بھی تھے۔ ان سب کی پرورش بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی محبت سے فرمائی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت معلم

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بِنْ عَمْرٍ وَ انَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بَمَجْلِسَيْنِ فِي مَسْجِدِهٖ فَقَالَ كِلَا هُمَا عَلٰى خَيْرٍ وَ اَحَدُ هُمَا أَفْضَلُ مِنْ صَاحِبِهٖ أَمَّا هٰؤُلَاءِ فَيَدْعُوْنَ اللّٰهَ وَ يَرْغَبُوْنَ اِلَيْهِ فَاِنْ شَآءَ أَعْطَا هُمْ وَاِنْ شَآءَ مَنَعَهُمْ وَ أَمَّا هٰؤُلَاءِ فَيَتَعَلَّمُوْنَ الْفِقْهَ اَوِالْعِلْمَ وَ يُعَلِّمُوْنَ الْجَاهِلَ فَهُمْ اَفْضَلُ وَاِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا ثُمَّ جَلَسَ فِيْهِمْ.

(سنن الدارمی)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر دو مجلسوں پر ہوا، جو مسجد نبوی میں منعقد تھیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دونوں بھلائی پر ہیں۔لیکن ان میں سے ایک (نیکی میں) دوسرے سے بہتر ہے۔ایک جماعت عبادت میں مصروف ہے۔اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہی ہے اور اس سے اپنی رغبت کا اظہار کر رہی ہے۔اب اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو انہیں دے اور اگر چاہے نہ دے۔اور دوسری جماعت فقہ یا علم حاصل کر رہی ہے اور جاہلوں کو علم سکھا رہی ہے۔چنانچہ یہ لوگ بہتر ہیں اور میں بھی معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی ان میں بیٹھ گئے۔''

فائدہ:

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنیادی طور پر ایک معلم کے طور پر اس دنیا میں تشریف لائے۔آپ پر نازل ہونے والی وحی کا نقطہ آغاز علم، قلم اور تعلیم کے الفاظ سے ہوا جن سے اسلام اور تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں علم اور اہل علم کی عظمت وفضیلت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔سورۃ علق میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِقْرَءْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ○ اِقْرَءْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ○ الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ○﴾

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم!) اپنے رب کے نام لے کر پڑھو جس نے (عالم کو) پیدا کیا۔جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے بنایا۔پڑھو اور تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے۔جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا۔اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جس کا اس کو علم نہ تھا۔

ان آیات کریمہ سے بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ بارگاہ خداوندی میں علم کا کتنا اونچا اور برتر مقام ہے۔یہ پہلی آواز ہے جو غفلت و جہالت کے خلاف اعلان جنگ کرتی ہے اور ہر عظیم انسان کی تشکیل کی پہلی اینٹ گویا دین کی نگاہ میں یہ ہے کہ وہ پڑھے اور سیکھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو جنہیں کبھی علم سے واسطہ نہیں پڑا تھا علم حاصل کرنے کا شوق دلایا۔علم کے فضائل بیان کیے۔علم کی ضرورت واہمیت پر روشنی ڈالی اور انہیں علم حاصل کرنے کی اتنی ترغیب دلائی کہ وہ اسے بھی اپنے فرائض منصبی میں شمار کرنے لگے۔

قرآن کریم کی سورۃ قلم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم کا اعلان قلم اور اس سے لکھی جانے والی چیز کی قسم کے ساتھ کیا ہے۔جس سے یہ بات بخوبی سمجھی جا سکتی ہے کہ جو کچھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیش کر رہے ہیں اس کا تعلق علم سے ہے۔اسی لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی بعثت کی اصل غرض وغایت اس حدیث میں بتائی کہ: میں بھی معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔لیکن ایسا معلم نہیں جس کا کام محض علم کے مسائل بیان کر دینا نہیں ہے بلکہ وہ اس کی عملی تربیت یعنی اخلاق کی تشکیل وتعمیر بھی کرتا ہے۔ترمذی کی ایک روایت ہے دو خصلتیں ایسی ہیں جو منافق میں جمع نہیں ہوتیں۔ایک تو خلق نیک اور دوسری دینی سمجھ (جو کہ علم حاصل کر کے ہی پیدا ہوتی ہے، (بحوالہ ترمذی)۔اس سے علم اور عمل کے گہرے تعلق کا پتہ چلتا ہے۔

اس حدیث مبارک سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو جماعتوں میں سے اس جماعت کو جو تذکرہ علم میں مشغول تھی نہ صرف یہ کہ زبان ہی سے بہتر قرار دیا بلکہ خود بھی اس جماعت پر بیٹھ کر علماء کی مجلس کو مزید عزت وشرف بخشی۔علم اور عالموں کی اس سے زیادہ اور کیا فضیلت ہو سکتی ہے کہ سردار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے عابدوں کی مجلس چھوڑ کر عالموں کو اپنی ہم نشینی سے نوازا اور اپنے بعثت کا مقصد بھی یہی بتایا۔بے شک اللہ عزوجل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلم بنا کر مبعوث فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑے معلم اور مربی ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مبعوث ہوئے تو اس وقت وہاں کے لوگ تعلیم سے مکمل طور پر نا آشنا تھے۔اور اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس وقت عرب کے مرکزی شہر مکہ معظّمہ کا یہ حال تھا کہ وہاں چند افراد لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ان حالات میں اس قوم کو تہذیب وتمدن سے ہمکنار کرنا کس قدر مشکل، کٹھن اور صبر آزما مرحلہ تھا۔کیونکہ کسی قوم کا تعلیم کے بغیر ترقی کے زینے طے کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔اور اس راز اور نکتہ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کون سمجھ سکتا تھا۔چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قوم سے جہالت کو دور کرنے کے لیے تعلیم ہی کو بنیاد اور ذریعہ بنایا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گلی گلی، کوچے کوچے، محلے محلے، نگری نگری، علم وفکر کی شمعیں روشن کرنے کے لیے معلمین اور مبلغین کی راہ ہموار فرمائی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑی مدت میں پورے ملک عرب میں علم وعرفان کے چراغ روشن کر دیے۔اگرچہ تعلیم کا سلسلہ مکہ معظّمہ میں ہی شروع ہو چکا تھا۔مکہ معظّمہ میں یہ سلسلہ دارارقم میں شروع فرمایا

جہاں اسلام کے حلقے میں داخل ہونے والوں کے لیے تعلیم کا اہتمام کیا گیا۔مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کا باقاعدہ آغاز مدینہ طیبہ میں فرمایا۔اور اسلامی تاریخ کی پہلی درسگاہ کی بنیاد مسجد نبوی میں پڑی۔اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس چشمہ علم سے وابستہ و پیوستہ رہ کر علم کے علمبردار اور سرچشمہ فیض بن گئے۔چنانچہ اس درس گاہ میں نہ صرف یہ کہ مدینہ طیبہ کے صحابہ رضی اللہ عنہم علم حاصل کیا کرتے تھے بلکہ مدینہ سے باہر سے بھی صحابہ آیا کرتے تھے۔جو یہاں قیام بھی کرتے تھے اور علم بھی سیکھتے تھے۔اور پھر واپس جا کر اپنے اپنے علاقے میں تعلیمات اسلامی کی اشاعت کرتے تھے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس علم کو نہ صرف جائز قرار دیا بلکہ اس کے حصول کی تلقین فرمائی جس میں انسانیت کی فلاح و بہبود ہو۔جس سے انسان سدھرتا ہو۔ترقی کے زینے طے کرتا ہو۔اور آفاق کی بلندیوں پر پہنچتا ہو۔مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے زیادہ زور قرآن وحکمت کی تعلیم پر دیا۔کیونکہ یہی وہ علم ہے جس کے ذریعے قلب ونظر کو پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی چھوٹے چھوٹے جملوں میں انتہائی اہم باتوں کو بیان فرمادیا کرتے تھے اور ایک ہی سبق میں کتنے کتنے علمی خزانے پوشیدہ ہوتے تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اشاروں ہی اشاروں میں سمجھا دیتے تھے۔اب ہم یہاں علم کی اہمیت کا اندازہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات سے بخوبی کر لیتے ہیں۔

☆علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے،(بحوالہ بخاری ومسلم)۔ ☆علم کا حاصل کرنا پچھلے گناہوں کا کفارہ ہوجاتا ہے،(بحوالہ ترمذی)۔

☆جو شخص علم حاصل کرنے کے لیے نکلے وہ گویا اللہ کی راہ(جہاد) میں نکلا ہے یہاں تک کہ واپس آئے،(بحوالہ ترمذی)۔

☆عالم کو عابد پر ایسی فضیلت ہے جیسی کہ میری فضیلت اس شخص پر جو تم میں سے ادنیٰ درجہ کا ہو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اور اہل آسمان اور اہل زمین سب کے سب یہاں تک کہ چیونٹیاں اور مچھلیاں بھی علم پڑھنے والے اور پڑھانے والوں کے لیے دعا کرتی رہتی ہیں،(بحوالہ ترمذی)

☆جو شخص اس غرض کے لیے کسی راستے پر چلے کہ علم کی کوئی بات سیکھے گا،تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کے راستے کو آسان فرمادیں گے،اور علم طلب کرنے والے کے لیے اس کے عمل پر اظہارِ خوشنودی کے لیے فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں،(بحوالہ ابوداود وترمذی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خاص دعا یہ تھی:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عِلْمٍ لَا یَنْفَعُ وَ مِنْ دُعَآءٍ لَا یُسْمَعُ وَ مِنْ قَلْبٍ لَا یَخْشَعُ وَ مِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ۔

اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس علم سے جو نفع بخش نہ ہو اور اس دعا سے جو سنی نہ جاسکے اور اس دل سے جو خشوع اختیار نہ کرے اور اس نفس سے جو کبھی سیر نہ ہو۔)(بحوالہ ابن ماجہ)۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر چیز عطا فرمائی۔لیکن کسی میں بھی زیادہ طلب کرنے کا حکم نہیں فرمایا۔اور علم عطا کیا اور علم میں زیادہ طلب کرنے کا حکم فرمایا۔اور یہ بھی حکم فرمایا:

﴿قُلْ رَّبِ زِدْنِی عِلْمًا۔﴾ (طہٰ:۱۱۴)

اے نبی کہیے اے میرے رب میرے علم میں زیادتی عطا فرما۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تربیت

عَنْ اَنَس بْنِ مَالِكٍ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ فِي الْمَسْجِدِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ جَاءَ اَعْرَابِيٌّ فَقَامَ يَبُوْلُ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَهْ مَهْ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتُزْرِمُوْهُ دَعُوْهُ فَتَرَكُوْهُ حَتّٰى بَالَ ثُمَّ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَاهُ فَقَالَ لَهُ اِنَّ هٰذِهِ الْمَسْجِدَ لَا تَصْلُحُ لِشَيْءٍ مِنْ هٰذَا الْبَوْلِ وَلَا الْقَذَرِ اِنَّمَا هِيَ لِذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ وَالصَّلَاةِ وَ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ اَوْ كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَاَمَرَ رَجُلًا مِنَ الْقَوْمِ فَجَاءَ بِدَلْوٍ مِنْ مَاءٍ فَشَنَّهُ عَلَيْهِ.

(صحیح مسلم، کتاب الطھارۃ، باب وجوب غسل البول و غیرہ من النجاسات اذا حصلت فی . . .)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک دیہاتی مسجد میں داخل ہوا اور کھڑے ہو کر پیشاب کرنے لگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے کہا: ''ارے ارے کیا کرتا ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس کو پیشاپ سے مت روکو اس کو چھوڑ دو۔'' پس لوگوں نے اس کو چھوڑ دیا یہاں تک کہ وہ پیشاپ کر چکا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلایا اور فرمایا: ''مسجد پیشاپ اور نجاست کے لائق نہیں، یہ تو اللہ کا ذکر اور اور نماز اور قرآن کے لیے ہے۔'' یا ایسا ہی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ پھر ایک شخص کو حکم دیا (جو) ایک ڈول پانی کا لایا اور اس پر بہا دیا۔

فائدہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک بہترین مربی اور مرشد تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انسانی مزاج اور نفسیات کو جاننے والے اور مخاطب کے ذوق اور مزاج کا خیال فرمانے والے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم و تربیت سے ایک ایسی قوم کو بدل ڈالا جو انتہائی خودسر اور مغرور تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف تعلیم پر زور دیتے تھے بلکہ اس کی تربیت کو اتنا ہی اہم سمجھتے ہے۔ یہی وہ پہلو ہے جو آج ہم بھول بیٹھے ہیں۔ ہمارے یہاں تعلیم دین کا تو بہت چرچا ہے لیکن اس کی عملی تربیت کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ ایک مربی اور مرشد کے لیے جو چیز سب سے زیادہ اہم اور ضروری ہے وہ اس کا حلم ہے۔ اگر وہ سخت رو اور ترش ہوگا تو کبھی بھی اپنے اصحاب کی تربیت نہیں کر سکے گا۔ یہ وہ نعمت ہے جو خداداد ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مخاطب کر کے فرمایا ہے:

﴿ یہ اللہ کی رحمت ہے کہ آپ کو نرم خو بنایا، اگر آپ درشت طبع سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے پاس سے بھاگ جاتے۔﴾ (آل عمران:۱۵۹)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کی تربیت میں ہر مناسب طریقہ اختیار فرمایا ہے۔ آپ نے موقع محل کی مناسبت سے نرمی اور سختی دونوں کو استعمال فرمایا ہے۔ اس حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نرمی فرمانے کا بیان ہے کہ ایک انتہائی نازیبا بات کو برداشت فرمایا لیکن ساتھ ہی اس کی اصلاح بھی فرما دی۔

ایک اور روایت میں آتا ہے کہ ایک صاحب نے رمضان کے مہینے میں اپنی بیوی سے صحبت کر لی اور بعد میں پشیمانی ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ماجرا سنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک غلام آزاد کرنے کا حکم دیا لیکن انہوں نے اپنی غربت کا اظہار کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ماہ روزے رکھنے کا حکم فرمایا انہوں نے عرض کیا روزے ہی میں تو یہ گناہ ہوا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کا حکم فرمایا انہوں نے خود اپنے حاجت مند ہونے کا اظہار فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اچھا بنی زریق کے منتظم کے پاس جاؤ اور اس سے صدقہ لے کر پہلے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ اور جو بچے وہ تم اور تمہارے گھر والے کھائیں۔'' وہ صحابی اپنے قبیلے میں گئے اور کہا: ''تم کتنے سخت تھے اور حضور نے کتنی نرمی فرمائی۔''، (بحوالہ ابوداود)۔

ایک موقع پر جب ایک قریشی عورت چوری کے الزام میں گرفتار ہوئی اور بعض مسلمانوں نے ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنے کی سفارش کی تو آپ نے اس موقع پر فرما کہ تم سے پہلے کی قومیں اسی لیے تباہ ہوئیں کہ جب ان کا چھوٹا آدمی جرم کرتا تھا تو اس کو سزا دیتی تھی اور جب بڑے لوگ کرتے تھے تو ان سے ٹال مٹول کرتے تھے، (بحوالہ بخاری)۔ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کی تربیت کے لیے سختی سے کام لیا تا کہ ان کی اصلاح ہو جائے۔

کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم و تربیت کے لیے سوال کا انداز اختیار فرمایا۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا کہ تم پہلوان کس کو کہتے ہو؟ لوگوں نے کہا جس کو لوگ کشتی میں پچھاڑ نہ سکیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں یہ پہلوان نہیں ہے، پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے۔''، (بحوالہ مسلم)۔ کبھی مثال سے اپنی بات کو واضح فرمایا۔ ایک روایت کے مطابق ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لکیر کی مدد سے ایک مربع اور دیگر لکیریں بنا کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بتایا کہ یہ ابن آدم ہے اور اردگرد اس کی موت ہے جو اسے گھیرے ہوئے ہے اور اس کے اردگرد لکیریں اس کی آفات اور مصیبتیں ہیں۔ انہی میں ایک لکیر مربع سے باہر تھی جو انسان کی امیدیں ہیں، (ترمذی)۔ ایک روایت میں یوں آتا ہے کہ اللہ کے

آخرت کے مقابلے میں دنیا کی حقیقت صرف اتنی ہے جیسے کوئی سمندر میں اپنی انگلی ڈالے پھر دیکھے کہ کتنا پانی لے کر لوٹتی ہے، (بحوالہ مسلم)۔

کبھی کسی مشاہدے اور واقعے کو پیش کرتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تربیت فرمائی۔ ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک مردہ بکری پر ہوا جسے اس کے مالک نے پھینک دیا تھا (جس کو دیکھ کر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس اللہ کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے یہ بکری اپنے مالک کی نظر میں جس قدر حقیر ہے اللہ کی نظر میں دنیا اس سے بھی زیادہ حقیر ہے، (بحوالہ مسند احمد)۔

کبھی اس انداز سے بات شروع فرماتے کہ مخاطب کی پوری توجہ اپنی طرف مبذول کرا لیتے تاکہ وہ ہمہ تن گوش ہوکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سنے۔ ایک موقع پر سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو مخاطب فرمایا: اے لڑکے! (جب کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل پیچھے بیٹھے ہوئے تھے) میں تجھے چند کلمات سکھاتا ہوں ان کو یاد کر لے اللہ تیری حفاظت فرمائے گا (اور) تو اللہ کو اپنے سامنے پائے گا۔ جب سوال کرے اللہ سے سوال کر جب مدد مانگنی ہو اللہ سے مدد مانگ اور جان لے کہ اگر سارے لوگ مل کر تمہیں نفع پہنچانا چاہیں تو تجھے کوئی نفع نہیں پہنچا سکتے سوائے اس کے کہ جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے لکھ دیا ہے۔ اور اگر سب لوگ مل کر تجھے نقصان پہنچانا چاہیں تو وہ نقصان نہیں پہنچا سکتے سوائے اس کے کہ جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے لکھ دیا ہے۔ قلم اٹھا لیے گئے اور صحیفے خشک ہوگئے۔'' (ترمذی)۔ کبھی کسی بات کی تکرار فرماتے تاکہ حاضرین بات کی اہمیت کا اندازہ کرلیں اور پوری توجہ سے بات سنیں۔ روایت میں آتا ہے کہ ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کی قسم وہ ایمان والا نہیں ہوسکتا، اللہ کی قسم وہ ایمان والا نہیں ہوسکتا، اللہ کی قسم وہ ایمان والا نہیں ہوسکتا۔'' صحابہ کرام نے پوچھا: ''کون یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس کا پڑوسی اس کی برائیوں سے امن میں نہ ہو''، (بخاری)۔

کبھی گزشتہ امتوں کے واقعات پیش فرما کر ان کی تربیت کے موافق مضمون بیان فرماتے۔ صحیح مسلم کی ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گزشتہ امتوں میں سے ایک کوڑھی، گنجے اور اندھے کا واقعہ بیان کیا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو اللہ کی شکرگزاری کی تعلیم فرمائی۔ کبھی فضیلتوں کو اجاگر فرما کر اور کبھی رذائل کو بیان فرما کر صحابہ کرام کو نیکی کی تلقین فرمائی اور برائیوں سے رکنے کا درس دیا۔ کبھی کاموں کے اچھے یا برے نتائج بیان فرما کر نیکی کی طرف راغب فرمایا اور گناہ سے نفرت پیدا کی۔ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم مخاطب کو ان تجربوں اور واقعات کی مثال دیتے جس سے اس کو واسطہ پڑ چکا ہوتا ہے جس سے اس کے لیے بات سمجھنا آسان ہو جاتا۔ مثلاً ایک شخص سے اللہ کا تعارف یوں کرایا کہ وہی جس کو تم اس وقت پکارتے ہو جب لق ودق صحرا میں تمہاری سواری کھو جاتی ہے اور وہ اس کو تمہارے پاس لوٹا دیتا ہے، (بحوالہ بخاری)۔

کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کی جانچ بھی فرماتے تاکہ ان کی صلاحیتوں کا اندازہ فرمالیں۔ چنانچہ جب سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کی طرف (حاکم بنا کر) بھیجا تو دریافت فرمایا: ''(مقدمات کا) فیصلہ کس طرح کرو گے؟'' تو (معاذ نے) کہا: ''قرآن سے فیصلہ دوں گا۔'' (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے) فرمایا: ''اگر کتاب اللہ میں نہ پاؤ تو؟'' عرض کیا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے۔'' فرمایا: ''اگر سنت رسول اللہ میں نہ پاؤ تب (کیا کرو گے)؟ عرض کیا اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کا شکر ہے جس نے رسول اللہ کے رسول کو (اس بات) کی توفیق دی۔'' (ترمذی)۔

یہ وہ چند نمونے ہیں جن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ تربیت کا انداز کی کچھ وضاحت ہوتی ہے۔ وہ تربیت جس نے غبار راہ کو بخشا فروغ وادی سینا۔ درحقیقت یہ موضوع توکئی تحقیقی مطالعوں کا متقاضی ہے۔ امت کے ماہرین تعلیم وتربیت کے لیے یہ ایک کھلا میدان ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت ایک سپہ سالار

عَنْ اَبِیْ اِسْحاقَ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلَی الْبَرَآءِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ اَ کُنْتُمْ وَلَّیْتُمْ یَوْمَ حُنَیْنٍ یَا اَبَا عُمَارَۃَ قَالَ اَشْھَدُ عَلٰی نَبِیِّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم مَا وَلّٰی وَلٰکِنَّہُ انْطَلَقَ اَخِفَّآءٌ مِنَ النَّاسِ وَ حُسَّرٌ اِلٰی ھٰذَا الْحَیِّ مِن ھَوَازِنَ وَ ھُمْ قَوْمٌ رُمَاۃٌ فَرَمُوْھُمْ بِرِشْقٍ مِنْ نَّبْلٍ کَاَنَّھَا رِجْلٌ مِّنْ جَرَادٍ فَانْکَشَفُوْا فَاَقْبَلَ الْقَوْمُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ اَبُوْسُفْیَانَ بْنُ الْحَارِثِ یَقُوْدُ بِہٖ بَغْلَتَہٗ فَنَزَلَ وَ دَعَا وَ اسْتَنْصَرَ وَ ھُوَ یَقُوْلُ اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبَ اَنَا ابْنُ عَبْدُالْمُطَّلِبْ اَللّٰھُمَّ نَزِّلْ نَصْرَکَ قَالَ الْبَرَآءُ کُنَّا وَاللّٰہِ اِذَا احْمَرَّ الْبَأْسُ نَتَّقِیْ بِہٖ وَ اِنَّ الشُّجَاعَ مِنَّا لَلَّذِیْ یُحَاذِیْ بِہٖ یَعْنِیْ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

(صحیح مسلم، کتاب الجھاد و السیر، باب فی غزوۃ حنین)

حضرت اسحاق سے روایت ہے کہ ایک شخص براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا، اے ابوعمارہ! کیا حنین کے دن تم (لوگ) بھاگ گئے تھے؟ انہوں نے کہا میں گواہی دیتا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ نہیں موڑا لیکن چند جلد باز لوگ اور نہتے ہوازن کے قبیلہ کی طرف گئے۔ وہ (ہوازن والے) تیرانداز تھے انہوں نے تیروں کی ایسی بوچھاڑ کی جیسے ٹڈی دل تو لوگ سامنے سے ہٹ گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ ابوسفیان بن حارث آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر کی لگام تھامے ہوئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم خچر سے اترے اور دعا فرمائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبَ اَنَا ابْنُ عَبْدُالْمُطَّلِب، یااللہ اپنی مدد اتار۔ براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اللہ کی قسم جب لڑائی زوروں پر ہوتی تو ہم اپنے آپ کو بچانے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آڑ میں ہو جاتے۔ ہم میں سے بہادر وہ تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے (میدان جنگ) میں قریب ہوتے۔

فائدہ:

اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمدہ پاکیزہ خصائل اور بہترین فضائل کی پیروی کریں اور اپنی زندگیوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ سے روشنی حاصل کریں۔

﴿لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ۔﴾ (احزاب:۲۱)

درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک بہترین نمونہ ہے۔

قرآن کریم کی یہ آیت سورہ الاحزاب کی آیت نمبر ۲۱ ہے۔ یہ آیت دراصل غزوہ احزاب جسے غزوہ خندق بھی کہا جاتا ہے کے موقع پر نازل کی گئی۔ اصل میں اس موقع پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں اور منافقوں دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم سب کے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے اندر بہترین نمونہ ہے۔ پس تم جہاد میں اور صبر وثبات میں نبی ہی کی پیروی کرو۔ کون نہیں جانتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جنگ میں کس قدر مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ خندق اپنے ہاتھ سے کھودی اور تقریباً ایک مہینہ دشمن کے سامنے سینہ سپر رہے۔ فقر و فاقہ پیش آیا کہ پیٹ پر پتھر باندھنے پڑے۔ یہ آیت اگرچہ جنگ احزاب کے موقع پر نازل ہوئی ہے جس میں جنگ کے موقعے پر بطور خاص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو سامنے رکھنے اور اس کے اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن مسلمانوں کے لیے زندگی کے ہر شعبے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ضروری ہے چاہے اس کا تعلق عبادات سے ہو یا معاشرت سے، معیشت سے ہو، یا سیاست سے ہو۔

جوں جوں وقت گزرتا جا رہا ہے اور جنگی تدابیر کے نئے نئے اسلوب، اصول اور جائزے ہمارے سامنے آتے جا رہے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدبرانہ فیصلے ہر زاویہ کے ساتھ نکھر کر ہمارے سامنے آتے جا رہے ہیں اور عقل و دانش رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک فیصلے پر عش عش کر اٹھی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت سپہ سالار ہر جنگ میں دشمن کے لیے کوئی نہ کوئی غیر متوقع چیز پیدا کر دیتے تھے۔ بدر میں صفوں کی ترتیب، احد میں میدان جنگ کا چناؤ، احزاب میں خندق کی کھدائی، طائف میں منجنیق اور دبابہ کا استعمال کر کے دشمنوں پر کاری ضرب لگائی۔ اس کے علاوہ دشمن کی نقل وحمل اور عزم و ارادہ کی مسلسل خبرگیری اور خبررسانی کے لیے مستقل دستے بھی مقرر کیے۔

ایک جرنیل یا سپہ سالار کے لیے جس قدر شجاع اور بہادر ہونا ضروری ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت کا یہ عالم تھا کہ عین اس وقت جب کہ دشمن پوری طرح حملہ آور ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم خچر سے اتر جاتے ہیں اور اپنے نبی ہونے کا اعلان فرماتے ہیں اور اس بات سے بے خوف ہیں کہ دشمن خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نشانہ بنا سکتا ہے۔ ایک روایت کے مطابق اس مرحلے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے ہی دشمن کی طرف بڑھنے لگے تھے۔

میدان جنگ میں آپ ایک ایسے جرنیل کی حیثیت سے نظر آتے ہیں جو سپہ سالار ہونے کے باوجود سپاہیوں کے دوش بدوش جنگ میں بھرپور حصہ لیتے

ہیں۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور جنگ وجدال اور جنگی حالات پرنظر ڈالی جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شاید دنیا میں ایک ایسے قابل سپہ سالار کی حیثیت سے دنیا میں تشریف لائے تھے جو دنیا کوفنون حرب کی تعلیم دیں۔

جاہلیت میں جنگ کے معنی تھے۔ بے رحمی سے قتل و غارتگری، آتش زنی، اکھاڑ پچھاڑ، لوٹ مار، عورتوں کی بے حرمتی، زمین میں فساد، کھیتی باڑی اور جانوروں کی تباہ کاری۔اور یہ جنگیں بغیر کسی نتیجے کے سوسو سال تک چلتی تھیں۔جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کی دعوت لے کر آئے تو ان عربوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی وہی طریقہ اپنایا جس کے نتیجے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی میدان جنگ کی طرف بنفس نفیس بڑھے۔لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے معنی کو مکمل طور پر بدل دیا۔چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کو مظلومین کی مدد، ظالموں کی سرکوبی، زمین پر امن و امان پھیلانے، عدل قائم کرنے، کمزوروں کو طاقتوروں کے چنگل سے چھڑانے، بندوں کو بندوں کی عبادت سے نکال کر اللہ کی عبادت کی طرف لگانے اور ادیان کے ظلم سے اسلام کے عدل کی طرف لانے کا ذریعہ بنادیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات میں کام آنے والوں کی تعداد اوران غزوات کے نتائج کا مقابلہ جب جاہلیت میں پیش آنے والی جنگوں کے نتائج سے کیا جائے تو عجیب وغریب بات سامنے آتی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سالہ مدنی زندگی میں تمام غزوات، سرایا، فوجی مہموں، جاسوسی اور خبر رسانی کے دستوں، اور اکا دکا جھڑپوں کی تعداد۸۲ ہے، ان میں غزوات کی تعداد صرف سات ہے۔ان تمام غزوات اور کاروائیوں میں ۳۱۰ مسلمان شہید ہوئے اور ۸۵۱ دشمنان اسلام قتل ہوئے۔اور جنگی قیدیوں کی تعداد ۶۰۷۰ رہی۔اوران جنگی قیدیوں میں سے کوئی ایک بھی قتل نہیں کیا گیا بلکہ سارے کے سارے قیدی بخیریت رہا کئے گئے۔ان جنگوں میں کام آنے والی اتنی تھوڑی تعداد اس زمانے کی ہے جب انتقام در انتقام کی شکل میں ہونے والی طویل جنگوں میں بیشمار انسانوں کی ہلاکت ایک معمولی بات سمجھی جاتی تھی۔یہ رسول کریم سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت عملی ہی تھی کہ اتنے تھوڑے عرصے میں اور اتنا معمولی سا خون بہا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریباً پورے جزیرہ عرب کو اپنے تابع فرمان بنالیا تھا اور اس کے اطراف میں امن وامان کا دور دورہ ہوگیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین کی ایسی تربیت فرمائی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے پندرہ سال بعد ہی تین براعظموں ایشیاء، افریقہ اور یورپ پر پھیلے ہوئے علاقوں پر مدینہ منورہ (مسلمانوں) کی حکومت کا قائم ہوجانا بے شک سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی حکمت عملیوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

غیر مسلم قوموں کی تاریخ جنگ پر نظر ڈالیں تو کہیں سروں کے مینار بن رہے ہیں۔کہیں خون کی ندیاں رواں ہیں۔کہیں اعضاء کاٹے جارہے ہیں۔کہیں خواتین کی عصمتیں تار تار کی جارہی ہیں۔کہیں معصوم بچوں کو نیزوں پر اچھالا جارہا ہے۔کہیں تہذیب وتمدن کے نقوش مٹائے جارہے ہیں جو آج بھی جاری ہے۔مسلمانوں کے علاوہ تقریباً ہر قوم جنگ کو صحرا کا بگولا، ویرانوں کا راگ، شعلوں کا غرور اور ذہنوں کا فتور سمجھتی ہیں۔تاریخ کی زبان کو کون روک سکتا ہے؟ صرف دو عظیم جنگوں میں اندازاً آٹھ کروڑ افراد ہلاک وزخمی ہوئے۔لاکھوں عورتوں، بچوں اور بے گناہوں کی تباہی اس کے علاوہ ہے۔

ان تمام باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے کیا یہ سمجھا جائے کہ نبی کریم سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی بڑی فتح کیا تلوار کی قوت سے حاصل کی؟ بالخصوص ان لوگوں کے لیے جو معمولی باتوں پر نہ ختم ہونے والی جنگ چھیڑ دیتے تھے اور لاکھوں جان قربان کردیا کرتے تھے۔مگر یہ سوچ نہیں سکتے تھے کہ سر جھکائیں گے؟ ہرگز نہیں۔بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ کامیابی اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خون ریزی اور غارت گری، ہلاکت اور بربادی، دہشت اور بربریت، غلامی اور ذلت کے نہیں بلکہ امن وسلامتی، رحمدلی وخداترسی، نیکی واحسان شرافت واخوت، حریت واحترام کے امین تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عظیم الشان فتح دراصل نبوت اور رحمت تھی۔رسالت اور حکمت تھی۔دعوت اور معجزہ تھی۔اور اللہ عزوجل کا فضل اور اس کی نعمت خاص تھی۔

شہادت کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ وَدَدْتُ اِنِّی اُقَاتِلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَاُقْتِلُ ثُمَّ اَحْیَا ثُمَّ اُقْتِلُ ثُمَّ اَحْیَا ثُمَّ اُقْتَل فَکَانَ اَبُوْھُرَیْرَۃَ یَقُوْلُھُنَّ ثَلاثًا اَشْھَدُ بِاللّٰہِ.

(صحیح البخاری، کتاب التمنی، باب ما جاء فی التمنی و من تمنی الشھادۃ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میری خواہش ہے کہ اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤ پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان الفاظ کو تین دفعہ دہراتے تھے۔

فائدہ:

جہاد جس کا مطلب ہے اللہ کی راہ میں کوشش کرنا یعنی اسلام کے غلبے، اس کے تحفظ اور اس کی اشاعت کے لیے بھرپور کوشش کرنا اب یہ چاہے مال سے ہو، جان سے ہو یا زبان سے۔ جہاد فی سبیل اللہ وہ عمل ہے جس کی قرآن پاک میں کم وبیش ساڑھے چار سو (۴۵۰) مرتبہ ترغیب دی گئی ہے۔ اسی طرح احادیث میں بھی کثرت سے تلقین و تاکید کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے ایمان والے بندوں سے ایک جگہ اس طرح ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایک ایسی تجارت بتاؤں جو تم لوگوں کو دکھ کے عذاب سے نجات دلا دے، (پس سنو) اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان کو استوار رکھو اور (بوقت ضرورت) اللہ کی راہ میں (یعنی اس کے دین کے لیے) اپنے مالوں اور جانوں کے ذریعے سے جہاد کیا کرو، یہ کام تمہارے حق میں بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو (ایسا کرنے پر) خدا تمہارے گناہ بخش دے گا اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، اور غیر فانی جنت کے عمدہ مکانوں میں تم کو بسائے گا، یہ تمہاری بڑی کامیابی اور بامرادی ہے۔﴾ (صف: ۱۲۔۱۰)

جہاد اسلامی فرائض میں بہت اہم فریضہ اور اسلام کے جسم کا رواں دواں خون ہے۔ جہاد اسلام کا اصل الاصول نماز و زکوٰۃ، مساجد و مدارس، حج اور روزے جیسی اہم ترین عبادت کے قائم کرنے کا باعث ہے۔ یہ عمل جبر وستم اور فساد فی الارض کے دور کرنے کا موثر ترین وسیلہ، اور مظلوموں و مجبوروں کو عدل و انصاف فراہم کرنے کا سب سے عمدہ ذریعہ ہے۔ قرآن پاک میں آتا ہے:

﴿بھلا کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان ناتواں مردوں، عورتوں اور ننھے ننھے بچوں کے چھٹکارے کے لیے جہاد نہ کرو؟ جو یوں دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ان ظالموں کی بستی سے ہمیں نجات دے اور ہمارے لیے خود اپنے پاس سے حمایتی مقرر کردے اور ہمارے لیے خاص اپنے پاس سے مددگار بنا﴾ (نساء: ۷۵)

اس کے برعکس جب جہاد فرض ہو جائے اس وقت جہاد کے لیے نہ نکلنا اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دیتا ہے:

﴿اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا ہے، تمہیں اللہ کی راہ میں نکلنے کے لیے کہا گیا تو تم زمین سے چمٹ کر رہ گئے؟ کیا تم نے آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی کو پسند کر لیا ہے؟ (جان رکھو) دنیا کی زندگی کا سامان آخرت میں بہت کم ثابت ہوگا۔ اگر تم (جہاد کے لیے) نہ اٹھو گے تو اللہ تمہیں دردناک عذاب دے گا اور تمہاری جگہ کوئی دوسری قوم لے آئے گا اور تم اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔﴾ (توبہ: ۳۹۔۳۸)

حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں مسلمانوں کے عروج و زوال کی داستان صرف جہاد ہی سے وابستہ ہے، جب بھی کبھی مسلمان جذبہ جہاد سے سرشار ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے نہ صرف انہوں نے دنیا میں عزت وشرف اور شان وشوکت حاصل کی بلکہ حیوانیت، بربریت اور جہالت میں ڈوبی ہوئی انسانیت کو امن وسلامتی، عدل و انصاف، شرافت و اخوت کے ساتھ ساتھ علوم وفنون اور تہذیب وتمدن کی روشنی سے بھی منور کیا، جہاد کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے کافروں اور مشرکوں کے ذلیل و رسوا ہونے اور اہل ایمان کو خوشی اور سکون قلب عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے:

﴿ان سے جنگ کرو، اللہ تمہارے ہاتھوں سے ان کو سزا دلوائے گا اور انہیں ذلیل و رسوا کرے گا اور ان کے مقابلہ میں تمہیں فتح عطا فرمائے گا، اور بہت سے مومنوں کے دل ٹھنڈے کرے گا اور ان کے دلوں کی جلن مٹا دے گا اور جسے چاہے گا توبہ کی توفیق عطا فرمائے گا، اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔''﴾ (توبہ ۱۵۔۱۴)

اس حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ: ''میں اللہ کی راہ میں لڑوں اور مارا جاؤں، پھر لڑوں پھر مارا جاؤں، پھر لڑوں پھر مارا جاؤں''۔

محض امت کو جہاد کی ترغیب دلانے یا جہاد کی فضیلت بتانے کے لیے نہ تھے، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دل کی گہرائیوں سے یہ خواہش رکھتے تھے کہ وہ اپنے اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی جان کا نذرانہ پیش کریں لیکن اللہ تعالیٰ نے کسی خاص مصلحت اور حکمت کی بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خواہش پوری نہیں فرمائی۔اسی خواہش شہادت کے تحت آپ صلی اللہ علیہ وسلم ستائیس (۲۷) بار راہ خدا میں نکلے اور جن میں نہ نکلے اس کی وجہ یوں ارشاد فرمائی: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے، اللہ کی راہ میں کسی شخص کو جو بھی زخم آئے گا وہ قیامت کے دن اسی زخمی حالت میں اللہ کے حضور پیش ہوگا، اس زخم کا رنگ تو خون کا ہوگا لیکن اس کی خوشبو مشک کی ہوگی، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے اگر میری امت کے لیے تکلیف دہ نہ ہوتا تو میں اللہ کی راہ میں لڑی جانے والی کسی بھی جنگ میں پیچھے نہ رہتا لیکن نہ تو میرے پاس اتنی وسعت ہے کہ میں ان سب کو سامان جنگ مہیا کرسکوں اور نہ ان کو خود ہی اس قدر وسعت حاصل ہے، مسلمانوں کو یہ بھی ناگوار گذرتا ہے کہ میں کسی مہم میں نکلوں اور وہ پیچھے رہ جائیں، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے میری خواہش ہے کہ میں اللہ کی راہ میں لڑوں اور مارا جاؤں، پھر لڑوں پھر مارا جاؤں، پھر لڑوں پھر مارا جاؤں۔"، (مسلم)۔

یہ اسی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم زندگی سے کہیں زیادہ موت سے محبت کرتے تھے، جہاد پر نکلنے کے بعد اپنے بال بچوں میں واپس آنے کی بجائے اپنے اللہ کے پاس پہنچنا زیادہ محبوب رکھتے تھے۔ایک صحابیہ حضرت خنسا بنت عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہا جنگ سے پہلے اپنے بیٹوں کو مخاطب کر کے فرماتی ہیں: "خوب سمجھ لو کہ جہاد فی سبیل اللہ سے بڑھ کر کوئی کار ثواب نہیں۔آخرت کی دائمی زندگی دنیا کی فانی زندگی سے کہیں بہتر ہے۔کل اللہ کی نصرت مانگتے ہوئے دشمنوں پر ٹوٹ پڑنا اور جب دیکھو کہ لڑائی کا تنور خوب گرم ہے اور جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے ہیں تو خاص آتشدان میں گھس جانا اور دیوانہ وار تلوار چلانا، ہو سکے تو دشمن کے سپہ سالار پر حملہ آور ہونا کامیاب رہے تو بہتر اور اگر شہادت نصیب ہوئی تو یہ اس بھی بہتر ہے کہ آخرت کی فضیلت کے مستحق بنو گے۔" اگلے روز میدان جنگ گرم ہوا تو اس بوڑھی خاتون نے اپنے کمزور ہاتھ بارگاہ الٰہی میں اٹھا دیے: "یا الٰہی! میری قیمتی متاع یہی تھی جو میں نے تیرے حوالے کر دی ہے۔"، جنگ کے اختتام پر جب اس بوڑھی عورت کو یہ معلوم ہوا کہ اس کے چاروں بیٹے شہید ہوگئے تو اس نے اللہ کے دربار میں یوں عرض کی: "اس اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے اپنے بیٹوں کی شہادت سے سرفراز فرمایا، اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ قیامت کے دن مجھے ان بچوں کے ساتھ اپنے سایہ رحمت میں جگہ دے گا۔"

ہمارے ہاں کھانے پینے، پہنے اوڑھنے اور تراش خراش کی سنتوں پر تو بہت زور دیا جاتا ہے لیکن کہیں بھولے سے بھی خواہش شہادت کی سنت کا کوئی ذکر نہیں کرتا حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ""جو شخص اس حال میں مرا کہ نہ تو اس نے (اللہ کی راہ میں) کبھی جہاد کیا اور نہ اس کے دل میں اس کی خواہش ہی پیدا ہوئی تو اس کی موت ایک طرح کے نفاق پر ہوئی۔"، (مسلم)۔جس طرح شہادت کا بے حساب اجر وثواب ہے، اسی طرح اس کی تمنا کرنے پر بھی اللہ تعالیٰ نے اجر وثواب رکھا ہے، اس کے مقابلے میں جس نے کبھی اس کی تمنا بھی نہ کی اس حدیث مبارکہ میں اس کو منافق کی صفات میں سے بتایا گیا ہے۔آیئے ہم بھی اللہ رب العزت سے دعا کریں کہ وہ ہمیں شہادت کی موت عطا کرے۔

اللہ کی راہ میں بہنے والے خون کی کیا اہمیت ہے ذرا اس فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑھیے: اللہ کو کوئی چیز اتنی پیاری نہیں جتنی دو بوندیں اور دو نشان ہیں، (بوندوں میں) ایک وہ آنسو کی بوند جو اللہ کے خوف سے ٹپک جائے، اور ایک وہ خون کی بوند جو اللہ کی راہ (جہاد) میں بہہ جائے۔اور نشانوں میں ایک راہ خدا (جہاد کرتے وقت) کا کوئی نشان اور ایک وہ نشان جو اللہ کے کسی فریضے (کی ادائیگی) میں پڑ ہو گیا ہو۔"، (ترمذی)۔اس حدیث سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد اور اس میں بہنے والے خون اور پڑنے والے نشان اللہ تعالیٰ کو کس حد تک پیارے ہیں کہ ان کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کو کچھ اور پیارا ہی نہیں۔حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا، سب سے اچھا آدمی کون ہے؟ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے) ارشاد فرمایا: "وہ مومن جو اپنی جان اور مال کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کر رہا ہو"۔ پوچھا پھر کون؟ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے) ارشاد فرمایا: "پھر وہ مومن ہے جو کسی گھاٹی میں رہ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے، اور لوگوں کو اپنے شر وفساد سے بچائے ہوئے ہے۔"، (بخاری، مسلم)۔اس حدیث میں یہی بتایا گیا ہے کہ سب سے بلند مرتبہ انسان وہی ہے جو اسلام اور اہل اسلام کی سربلندی کے لیے اپنے مال اور جان کی بازی لگا دیتا ہے، اس کے بعد درجہ میں وہ ہے جو پروردگار کی عبادت میں لگا رہتا ہے اور دوسروں کے لیے تکلیف کا باعث نہیں بنتا۔حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ پر ایمان لانا اور (اس کے بعد) جہاد فی سبیل اللہ"۔(بخاری)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ فَاَیُّمَا رَجُلٍ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ سَبَبْتُهٗ اَوْ لَعَنْتُهٗ اَوْ جَلَدْتُهٗ فَاجْعَلْهَا لَهٗ زَكٰوةً وَ رَحْمَةً.

(صحیح مسلم، کتاب البر الصلة و الاداب، باب من لعنه النبی صلی الله علیه وسلم او سبه او...)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے اللہ میں بشر ہوں پس جس مسلمان شخص کو سخت سست کہا ہو، یا اس پر رحمت سے دوری کی دعا کی ہو یا اسے مارا ہو تو اس کو اس کے حق میں تزکیہ (کا سبب) بنا دے اور اس پر رحمت (بنا) دے۔

فائدہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت مکہ کے مشرکوں کے سامنے اپنی رسالت کا اعلان فرمایا تو یہ بات ان کو بہت عجیب لگی کہ ایک انسان جو کھاتا پیتا ہے، بازاروں میں چلتا پھرتا ہے، جس کی بیوی اور بچے بھی ہیں وہ کس طرح اللہ کا رسول ہوسکتا ہے۔ اس کا ذکر قرآن پاک میں یوں آتا ہے:

﴿اور کہتے ہیں یہ کیسا رسول ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے؟﴾ (فرقان:۷)

﴿اور جب لوگوں کے پاس ہدایت آگئی تو ان کو ایمان لانے سے اس کے سوا کوئی چیز مانع نہ ہوئی کہ کہنے لگے کہ کیا اللہ نے آدمی کو پیغمبر کر کے بھیجا ہے۔﴾ (بنی اسرائیل:۹۴)

ان مشرکوں کے مطابق رسول میں الوہیت کا کوئی نہ کوئی شائبہ ضرور ہونا چاہیے۔ اسی لیے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے رسالت کے ثبوت کے طور پر ایسے کاموں کا مطالبہ کرتے تھے جو دوسرے انسان نہ کر سکتے ہوں۔ قرآن پاک میں اللہ نے ان کی اس بات کا ذکر اس طرح فرمایا ہے:

﴿اور کہنے لگے ہم تم پر ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ ہمارے لیے زمین میں چشمہ جاری کر دو یا تمہارا کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو اور اس کے بیچ میں نہریں بہا نکالو۔﴾ (بنی اسرائیل:۹۱)

لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بات کا جواب اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اس طرح ادا کروایا:

﴿کہہ دو کہ میرا پروردگار پاک ہے میں تو صرف ایک پیغام پہنچانے والا بشر ہوں۔﴾ (بنی اسرائیل:۹۳)

مزید فرمایا:

﴿کہہ دو کہ اگر زمین میں فرشتے ہوتے چلتے پھرتے، بستے تو ہم ان کے پاس فرشتے پیغمبر بنا کر بھیجتے۔﴾ (بنی اسرائیل:۹۵)

اور بھی کئی مقامات پر اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا اعلان کروایا کہ میں بشر ہوں۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متعدد ارشادات میں اس بات کو واضح فرمایا کہ میں ایک بشر ہوں۔ اوپر والی حدیث بھی ان میں سے ایک ہے۔ اس حدیث میں آپ کی جس ناراضگی کا ذکر ہے وہ حدود اللہ کو توڑنے پر ہے ورنہ اپنی ذات کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کوئی انتقام نہیں لیا۔ اپنے وصال سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطبہ دیا اس میں ارشاد فرمایا: ''اے لوگو، میں ایک بشر ہی ہوں، قریب ہے کہ میرے رب کا رسول میرے پاس آجائے۔''، (صحیح مسلم)۔ اسی تربیت اور تعلیم سے صحابہ کرام بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر ہی مانتے اور جانتے تھے۔ ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک بشر ہی تھے اپنے کپڑوں میں جوئیں تلاش کر لیتے، اپنی بکری کا دودھ نکال لیتے اور اپنی ضروریات کو خود انجام دے لیتے۔''، (ترمذی)۔ اسی لیے اہلسنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ انبیا سب بشر تھے۔ اور ان کی بشریت سے انکار کرنا قرآن وحدیث کا انکار ہے۔

انبیا جنس بشریت میں دیگر انسانوں کی طرح ہیں۔ وہ بشر کی طرح پیدا ہوئے، انسانی زندگی کے جو مراحل ہیں وہ ان پر آئے اور بالآخر دوسرے انسان کی طرح اپنی عمر پوری کر کے وفات پائی۔ البتہ جنس بشر میں تمام تر شراکت کے باوجود ان کے بہت سے فضائل ایسے ہیں جو انہیں دیگر انسانوں سے ممتاز کرتے ہیں۔ مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں تم کو اپنی پشت کی طرف سے بھی دیکھتا ہوں۔''، (بخاری)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''صرف میری آنکھیں سوتی ہیں میرا دل نہیں سوتا۔''، (بخاری، مسلم)۔ لیکن ان کی سب سے امتیازی فضیلت ان کا وحی سے سرفراز ہونا ہے اور یہ شرف کسی غیر نبی کو حاصل نہیں ہے۔ اسی لیے جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بشریت کا اعلان فرمایا ہے وہیں یہ بھی بتا دیا کہ میری طرف وحی آتی ہے:

﴿کہہ دیجیے کہ میں ایک بشر ہو تمہاری طرح (البتہ) میری طرف وحی آتی ہے۔﴾ (کہف:۱۱۰)

لیکن ان کی خصوصی فضیلت ان کو جنس بشریت سے خارج نہیں کرتی لہذا اس کی نفی کر کے یہ سمجھنا کہ اس سے ان کی شان بڑھتی ہے ان کی شان میں گستاخی ہے۔

بلکہ معیار نبوت سے بعید ہے اس لیے کہ کسی فرشتے کو نبی بنا کر نہیں بھیجا گیا۔

بشریت نبی کریم سے متعلق ایک مسئلہ نور رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ جس میں صحیح علم نہ ہونے سے بہت گمراہی پھیلتی ہے۔ جاننا چاہیے کہ اللہ کی مخلوقات کئی طرح کی ہیں۔ ان میں سے فرشتوں کی تخلیق نور سے ہوئی ہے، جنات کی تخلیق آگ سے اور انسان کی تخلیق مٹی سے ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے: ''فرشتے نور سے پیدا کیے گئے اور جن آگ سے اور آدم علیہ السلام (مٹی) سے جیسا کہ قرآن میں بیان کیا گیا ہے۔'' (مسلم)۔ سورہ انعام آیت ۲ میں آتا ہے:

﴿وہی تو ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔﴾

اس خاک کے پتلے کو نوری مخلوق نے سجدہ کیا جس سے نوری مخلوق پر خاکی مخلوق کی افضلیت اور برتری ثابت ہوگئی۔ اسی لیے اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ہے انسان مٹی سے وجود پانے کے باوجود نوری مخلوق یعنی فرشتوں سے افضل ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل آیت ۷۰ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ان کو جنگل اور دریا میں سواری دی اور پاکیزہ روزی عطا کی اور اپنی بہت سی مخلوق پر ان کو فضیلت دی۔﴾

بعض واعظوں کے بیانات سے یوں لگتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نور ثابت کر دینا گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بلند کرنا ہے۔ یہ فکر اور سوچ غلط ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ جس حدیث شریف سے یہ فکر اخذ کی جاتی ہے وہ یہ ہے: ''اے جابر بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا کیا''، (مسند ابی عبدالرزاق)۔ محققین علمائے کرام نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود اللہ کی صفت نور کا فیض ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ معاذ اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نور الٰہی کا کوئی جزو ہیں۔ یہ تو خالص شرک ہے۔ اس لیے کہ خود اللہ تعالیٰ نے بتا دیا:

﴿نہ اس سے کوئی پیدا ہوا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔﴾ (اخلاص:۳)

نہ ہی اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا نور محض ہونا ثابت نہیں ہوتا ہے جو بشریت اور جسمانیت کے منافی ہو۔ جیسا کہ عوام الناس میں رائج ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت و تدبیر

عَنْ أَنَس بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَمَّا أَرَادَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَكْتُبَ إِلَى الْعَجَمِ قِيْلَ لَهُ إِنَّ الْعَجَمَ لا يَقْبَلُونَ إِلَّا كِتَابًا عَلَيْهِ خَاتِمٌ فَاصْطَنَعَ خَاتِمًا قَالَ فَكَأَنِّي انْظُرُ إِلَى بَيَاضِهِ فِي كَفِّهِ۔

(سنن الترمذی، کتاب الأستیذان و الأداب، باب ما جاء فی الختم الکتاب)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عجمیوں کو خط لکھنے کا ارادہ کیا تو آپ کو بتایا گیا کہ یہ لوگ بغیر مہر کے کوئی چیز قبول نہیں کرتے ۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انگوٹھی بنوائی۔ گویا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی میں اس کی سفیدی کو دیکھ رہا ہوں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر تھی۔

فائدہ:

اللہ رب العزت نے قرآن پاک میں فرمایا:

﴿درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت کا امیدوار ہو اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتا ہو۔﴾ (احزاب:۲۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک انتہائی نمایاں پہلو جدوجہد، سعی وعمل اور سرگرمی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس دعوت کو لے کر آئے اس کی ابتدا سے لے کر اس کی کامیابی تک وہ مرحلہ وار آگے بڑھتی رہے۔معجزوں کے بل پر نہیں بلکہ فطری طریقے سے سارے مراحل طے کیے جو انسانی تجربات سے ہم آہنگ ہے۔ ہر موقع اور ہر صورتحال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم حکمت و تدبیر سے کام لیا۔ دعوت دی تو ستائے گئے ۔تبلیغ کی تو ساتھیوں کی جماعت فراہم ہوئی ۔ فاقے کیے، وطن چھوڑا۔ جنگ پر مجبور ہوئے تو اس سے بھی نہ رکے۔ خود زخم کھائے ساتھیوں نے جانیں قربان کیں، آپ کی قیادت حکمت اور تدبیر کا شاہکار تھی۔

دعوت کی ابتدا حکمت و تدبیر کے مطابق پہلے اپنے قریب ترین لوگوں کو دین کی دعوت دی اور ایک مدت تک یہ سلسلہ بہت خاموشی سے چلتا رہا۔قریش نے توجہ نہ کی تو طائف چلے گئے کہ شاید وہاں اعوان انصار مل جائیں، کامیابی نہ ہوئی تو اہل یثرب کو دعوت دی جہاں سے مددگار مل گئے ۔ہجرت کا موقعے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ جانے والے عام راستے سے ہٹ کر بالکل مخالف سمت میں اپنا سفر شروع کیا تا کہ دشمن کو اندازہ ہی نہ ہو سکے۔ مدینہ پہنچ کر اطراف کے قبائل اور مدینہ میں بسنے والے یہودیوں سے معاہدات کیے تا کہ امن امان حاصل ہو اور اسلام کی پہلی ریاست کے قیام کی طرف توجہ دی جا سکے۔ جنگ بدر کا موقع آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کے مشورے پر لشکر اسلام کے پڑاؤ کی جگہ بدل ڈالی جس سے مسلمان لشکر کو پانی کی سہولت حاصل ہوگئی اور شروع ہی مسلمانوں کا پلہ سے بھاری ہوگیا۔غزوات کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم حفاظت کے پیش نظر زرہ وخود کا استعمال فرماتے تھے۔حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کی زبان سریانی کا حکم دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"اللہ کی قسم مجھے بالکل اطمینان نہیں کہ وہ میرے لیے صحیح لکھتے ہیں۔"، (بحوالہ ترمذی)۔غزوہ خندق میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خندق کھودنے کا مشورہ قبول کر لینا اس بات کا اشارہ ہے کہ دوسری قوموں کے مفید تجربات نفع بخش انکشافات کو اختیار کرنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی تکلف نہ کرتے تھے۔اسی غزوہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو دشمن کی جاسوسی پر مامور فرمایا تھا، (بحوالہ بخاری)۔

یہ اس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں ہیں جو آخری دین اور قیامت تک رہنے والی شریعت کے ساتھ بھیجا گیا تھا اس لئے ہمارے لئے بھی مناسب اور مفید ہے کہ ہم بھی عمل اور سعی مسلسل کو اپنائیں اور اپنے کاموں میں حسن تدبیر کو اختیار کرے۔ ایک روایت کا مفہوم ہے کہ اللہ اس مومن کو پسند کرتا ہے جو اپنے کام کو احسن طریقے سے انجام دیتا ہے، (بیہقی)۔اسی طرح دوسری قوموں کی ان اچھائیوں کو (نہ کہ صرف لباس وطعام کو) اختیار کریں جو ہمارے لئے مفید ہوں اور شریعت کے احکام اور اس کے عام اصولوں سے نہ ٹکراتے ہوں۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:"حکمت مومن کی کھوئی ہوئی متاع ہے ۔ وہ جہاں کہیں اسے پائے اس کا زیادہ حقدار ہے، (بحوالہ ترمذی)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم

عَنْ اَبِیْ بُرْدَةَ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ صَلَّیْنَا الْمَغْرِبَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قُلْنَا لَوْ جَلَسْنَا حَتّٰی نُصَلِّی مَعَهُ الْعِشَاءَ قَالَ فَجَلَسْنَا فَخَرَجَ عَلَیْنَا فَقَالَ مَازِلْتُمْ هَاهُنَا قُلْنَا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّیْنَا الْمَغْرِبَ ثُمَّ قُلْنَا نَجْلِسُ حَتّٰی نُصَلِّی الْعِشَاءَ قَالَ اَحْسَنْتُمْ اَوْ اَصَبْتُمْ قَالَ رَفَعَ رَاْسَهُ اِلَی السَّمَاءِ وَ کَانَ کَثِیْرًا مَا یَرْفَعُ رَاْسَهُ اِلَی السَّمَاءِ فَقَالَ النُّجُوْمُ اَمَنَةٌ لِلسَّمَاءِ فَاِذَا ذَهَبَتْ النُّجُوْمُ اَتَی السَّمَاءَ مَا تُوْعَدُ وَ اَنَا اَمَنَةٌ لِاَصْحَابِی فاذا ذَهَبْتُ اَنَا اَتَی اَصْحَابِی مَا یُوْعَدُوْنَ وَ اَصْحَابِی اَمَنَةٌ لِاُمَّتِی فَاِذَا ذَهَبَاَصْحَابِی اَتَی اُمَّتِی مَا یُوْعَدُوْنَ.

(صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب ان بقاء النبی امان لاصحابه و بقاء اصحابه...)

حضرت ابو بردہ اپنے والد (ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ (ایک دن) ہم نے مغرب کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادا کی اور پھر ہم نے (آپس) میں کہا کہ اگر ہم یہیں بیٹھ جائیں تاکہ عشاء بھی ان صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھ لیں، انہوں نے کہا کہ ہم بیٹھ گئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور دریافت فرمایا: ''تم لوگ ابھی تک یہاں بیٹھے ہوئے ہو؟'' ہم نے عرض کیا: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ہم نے مغرب کی نماز (یہیں) پڑھی اور اس کے بعد طے کیا کہ ہم یہیں بیٹھے رہتے ہیں تاکہ ہم (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے) عشاء پڑھ لیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم لوگوں نے اچھا کیا یا ٹھیک کیا۔'' (پھر راوی) کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف اپنا سر مبارک اٹھایا اور آپ اکثر (وحی کے انتظار میں) آسمان کی طرف دیکھا کرتے تھے اور پھر فرمایا: ''ستارے آسمان کی سلامتی کا باعث ہیں۔ جس وقت یہ ستارے جاتے رہیں گے تو آسمان کے وہ چیز آجائے گی جو مقدر ہے (یعنی قیامت)۔ میں اپنے صحابہ کے لیے امن کا باعث ہوں جب میں (اس دنیا سے) چلا جاؤں گا تو میرے صحابہ پر وہ چیز آپڑے گی جو مقدر ہے اور میرے صحابہ میری امت کے لیے امن وسلامتی کا باعث ہیں۔ جب میرے صحابہ (اس دنیا سے) رخصت ہوجائیں گے تو میری امت پر وہ چیز آپڑے گی جو مقدر ہے۔

فائدہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کے درمیان رابطہ ہیں۔ یہی حضرات ہیں جن کے ذریعے دین ہم تک پہنچا۔ ان کی عزت ان کا احترام ہم پر واجب ہے۔ اس حدیث میں ان کی یہ فضیلت بتائی گئی کہ جب تک وہ زندہ رہیں گے امت اختلافات سے محفوظ رہے گی۔ ان کے متعلق حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ فرماتے ہیں: ''جو شخص کسی کی اتباع کرنا چاہے تو ان لوگوں کی اتباع کرے جو وفات پا چکے ہیں اس لیے کہ آدمی جب تک زندہ رہتا ہے اس وقت تک اس کے فتنے میں پڑنے کا اندیشہ رہتا ہے وہ لوگ جن کی اتباع کرنی چاہیے وہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہ لوگ اس امت کے افضل ترین افراد تھے ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری تھی وہ دین کا گہرا علم رکھتے تھے اور تکلف سے دور تھے۔ ان لوگوں کو اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینے کے لیے اور اپنے دین کو قائم کرنے کے لیے منتخب کیا تھا۔ پس اے مسلمانو، ان کا مقام پہچانو ان کے پیچھے چلو اور ان کے اخلاق و سیرت کو اپنے امکان بھر مضبوطی سے پکڑو اس لیے کہ یہ لوگ صراط مستقیم پر تھے، اللہ کی بتائی ہوئی سیدھی راہ پر تھے۔''، (مشکوٰۃ)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب سے بہت محبت فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی خوشیوں اور ان کے غم میں پوری طرح شریک ہوتے تھے۔ ایک حدیث میں آپ نے حکم فرمایا کہ میرے اصحاب کی تعظیم کرو، (بحوالہ نسائی)۔ ایک روایت میں آتا ہے: ''اس مسلمان کو (دوزخ) کی آگ نہ چھوئے گی جس نے مجھ کو دیکھا ہو یا اس شخص کو دیکھا جس نے مجھے دیکھا (یعنی صحابی)، (بحوالہ ترمذی)۔ یہ بھی فرمایا کہ میرے اصحاب میں سے جو جس زمین میں وفات پائے گا وہاں اپنی قبر سے قیامت کے دن اس حال میں اٹھایا جائے گا کہ اس زمین کے لوگوں کو جنت کی طرف کھینچ جانے والا ہوگا، (بحوالہ ترمذی)۔ ان اصحاب کے متعلق حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تنگ دل اور تنگ ذہنیت نہ تھے اور نہ ہی وہ اپنے آپ کو بتکلف مردہ بنائے رکھتے تھے وہ لوگ تو اپنی مجلسوں میں شعر سنتے اور پڑھتے تھے اور جاہلی زندگی اور اس کی تاریخ بیان کرتے تھے۔'' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ آپس میں ہنستے تھے اور ایمان پہاڑوں جیسا مضبوط تھا۔'' ان کے متعلق یہ بھی آتا ہے کہ وہ دن میں دوڑ کا مقابلہ کرتے تھے لیکن جب رات ہوتی ہے تو وہ راہب کی طرح ہوجاتے جیسے دنیا کی زندگی سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔

نبی کریم کا مقام شفاعت

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ وَ لَا فَخْرَ وَ أَنَا أَوَّلُ مَا تَنْشَقُّ الْاَرْضُ عَنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ لَا فَخْرَ وَ أَنَا أَوَّلُ شَافِعٍ وَ أَوَّلُ مُشَفَّعٍ وَ لَا فَخْر وَ لِوَاءُ الْحَمْدِ بِيَدِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ لَا فَخْرَ.

(سنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب ذكر الشفاعة)

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت کے روز میں بنی آدم کا سردار ہوں گا، سب سے پہلے میری قبر شق ہوگی اور میں یہ بات فخر سے نہیں کہہ رہا ہوں نیز سب سے پہلے میں سفارش کروں گا سب سے پہلے میری سفارش قبول کی جائے گی اور اس کا ذکر فخر کے طور پر نہیں کر رہا، قیامت کے روز حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا اور میں بات فخر سے نہیں کہہ رہا۔

فائدہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو چند خصوصی مراتب حاصل ہیں ان میں سے ایک مقام شفاعت بھی ہے۔ ایک طویل حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفصیل ذکر فرمائی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''جب قیامت کا دن ہوگا، تو لوگوں میں سخت بے چینی اور اژدھام کی کیفیت ہوگی، کچھ لوگ (یعنی اہل محشر کے کچھ نمائندے) آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے، کہ اپنے رب سے ہماری سفارش کر دیجئے، آدم علیہ السلام فرمائیں گے کہ میں اس کام کے لائق اور اس رتبے کا نہیں ہوں، لیکن تم کو چاہیے کہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ اللہ کے خلیل ہیں، پس یہ لوگ ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے، وہ بھی فرمائیں گے کہ میں اس کام کے لائق نہیں ہوں، لیکن تمہیں موسیٰ علیہ السلام کے پاس جانا چاہیے، وہ اللہ کے کلیم ہیں، شاید وہ تمہارا کام کر سکیں، پس یہ لوگ موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے، وہ بھی یہی فرمائیں گے کہ میں اس کام کے لائق نہیں ہوں، لیکن تمہیں عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جانا چاہیے وہ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں، پس یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے، وہ بھی یہی فرمائیں گے کہ میں اس کام کے لائق نہیں ہوں، لیکن تمہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیے، (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ) پھر وہ لوگ میرے پاس آئیں گے، (اور شفاعت کے لیے مجھ سے کہیں گے) میں کہوں گا کہ میں اس کام کا ہوں (اور یہ میرا ہی کام ہے)، پھر میں اپنے رب کریم کی بارگاہ خاص میں حاضری کی اجازت طلب کروں گا، مجھے اجازت دے دی جائے گی، اور اللہ تعالیٰ اس وقت مجھے اپنی کچھ خاص تعریفیں اپنی حمد کے لیے عطا فرمائیں گے، تو اس وقت میں انہی خاص کلمات کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کروں گا، اور اس کے آگے سجدہ میں گر جاؤں گا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا جائے گا، کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! سر اٹھاؤ، اور جو کہنا ہو کہو تمہاری سنی جائے گی، اور جو سفارش کرنا ہو کرو تمہاری مانی جائے گی، پس میں کہوں گا اے پروردگار! میری امت میری امت! پس مجھ سے کہا جائے گا، جاؤ اور جس کے دل میں جو کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو، اس کو نکال لو، پس میں جاؤں گا اور ایسا کروں گا، اور پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کرم کی طرف لوٹوں گا، اور پھر انہیں خاص کلمات کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کروں گا، اور اس کے آگے سجدہ میں گر جاؤں گا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا جائے گا، کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! سر اٹھاؤ، اور جو کہنا ہو کہو تمہاری سنی جائے گی، اور جو سفارش کرنا ہو کرو تمہاری مانی جائے گی، پس میں کہوں گا اے پروردگار! میری امت میری امت! پس مجھ سے کہا جائے گا، جاؤ اور جن کے دل میں ایک ذرہ کے برابر (یا فرمایا کہ رائی کے دانہ کے برابر) بھی ایمان ہو، ان کو بھی نکال لو، پس میں جاؤں گا اور ایسا کروں گا، اور پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کرم کی طرف لوٹوں گا، اور پھر انہیں خاص کلمات کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کروں گا، اور اس کے آگے سجدہ میں گر جاؤں گا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا جائے گا، کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! سر اٹھاؤ، اور جو کہنا ہو کہو تمہاری سنی جائے گی، اور جو سفارش کرنا ہو کرو تمہاری مانی جائے گی، پس میں کہوں گا اے پروردگار! میری امت میری امت! پس مجھ سے کہا جائے گا، جاؤ اور جن کے دل میں رائی کے دانہ سے کم بھی ایمان ہو، ان کو بھی نکال لو، پس میں جاؤں گا اور ایسا کروں گا، اور اس کے بعد چوتھی مرتبہ پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کرم کی طرف لوٹوں گا، اور پھر انہیں خاص کلمات کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کروں گا، اور اس کے آگے سجدہ میں گر جاؤں گا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا جائے گا، کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! سر اٹھاؤ، اور جو کہنا ہو کہو تمہاری سنی جائے گی، اور جو سفارش کرنا ہو کرو تمہاری مانی جائے گی، پس میں کہوں گا اے پروردگار! مجھے اجازت دیجیے، ان سب کے حق میں جنہوں نے لا الٰہ الا اللہ کہا ہو، اللہ تعالیٰ فرمائے گا، یہ کام تمہارا نہیں ہے، لیکن میری عزت وجلال اور میری عظمت و کبریائی کی قسم، میں خود دوزخ سے ان سب کو نکال لوں گا، جنہوں نے لا الٰہ الا اللہ کہا ہو، (بخاری ومسلم)۔

یہاں پر شفاعت کے سلسلے میں اہلسنت والجماعت کا مسلک سمجھ لینا ضروری ہے۔ شفاعت کے معنی سفارش کے ہیں اور سفارش کی تین قسمیں ہو سکتی ہیں: ۱) شفاعت یا سفارش جو کسی رشتے ناطے یا دنیاوی غرض کے تحت قبول کی جاتی ہے اس لیے کہ اس کو قبول نہ کرنے میں خود اپنا نقصان ہو سکتا ہے۔ اللہ رب

العزت کے دربار میں ایسی کسی سفارش کی کوئی امید نہیں اس لیے کہ اس کو کسی سے کیا خطرہ ہوسکتا ہے،۲) شفاعت یا سفارش جو کسی کی محبت کے سبب قبول کی جاتی ہے کہ سفارش کرنے والے کی ناراضی کے خطرے کے سبب اس کی سفارش رد نہیں کی جاسکتی۔ اللہ تعالیٰ سے کسی کے ناراض ہونے کی کیا حیثیت ہے،۳) شفاعت یا سفارش جس میں سفارش کرنے والا مثلا حاکم اور افسر کے مزاج اور رضامندی کو دیکھ کر سفارش کرتا ہے اور درحقیقت روز قیامت اللہ رب العزت کے دربار میں صرف یہی شفاعت ہوگی۔ قرآن پاک میں نبی ولی کی جس شفاعت کا بیان ہے وہ یہی شفاعت ہے۔ چنانچہ شہید بھی شفاعت کریں گے، حافظ قرآن بھی شفاعت کریں گے، دودھ پیتے بچے جو مر گئے ہیں وہ بھی شفاعت کریں گے، صالحین امت بھی شفاعت کریں گے۔ لیکن شفاعت کا سلسلہ بھی اللہ رب العزت کی طرف سے خود جاری ہوگا۔ کسی کی مجال نہ ہوگی کہ خود دخل دے سکے اور اجازت کے بغیر شفاعت کر سکے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کبریٰ بھی اجازت کے بغیر نہیں ہوگی۔ جیسا کہ بخاری ومسلم کی پیش کردہ حدیث کے الفاظ ہیں: ''اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا جائے گا، کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! سر اٹھاؤ، اور جو کہنا ہو کہو تمہاری سنی جائے گی، اور جو سفارش کرنا ہو کرو تمہاری مانی جائے گی۔'' اس اجازت کے بعد بھی شفاعت صرف ان لوگوں کے حق میں منظور ہوگی جن کی نجات کے متعلق شفاعت سے پہلے اللہ عز وجل کی مرضی اس شخص کو بخش دینے کی ہو چکی ہوگی۔ پس درحقیقت شفاعت اللہ کا ایک انعام ہے اور یہ بھی ان کے لیے جو ایمان کی سلامتی کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہوں گے۔

بعض لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ ہم فلاں ولی کی اولاد ہیں، یا فلاں پیر صاحب کے مرید ہیں اور فلاں اللہ کے پیارے سے ہمارا تعلق ہے اور یہ ایسے ہیں کہ اگر اڑ بیٹھیں تو خدا کو ان کی سفارش ماننی ہی پڑے گی حالاں کہ اس کے دربار کا حال تو یہ ہے کہ بغیر اجازت زبان تک کھولنے کی کوئی طاقت نہیں رکھتا، جس کو اجازت ملے گی صرف وہی کچھ عرض کرے گا اور جس کے حق میں اجازت ملے گی اسی کے حق میں سفارش قبول ہوگی۔ اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿اس دن سے ڈرتے رہو جب کوئی کسی کو نفع نہیں دے سکے گا اور نہ شفاعت اور سفارش قبول کی ہوگی اور نہ کوئی بدلہ یا فدیہ لیا جائے گا اور نہ کوئی مدد کرنے والا ہوگا۔﴾ (بقرۃ:۴۸)

﴿ایسا کون شخص ہے جو اس کے پاس کسی کی سفارش کر سکے بغیر اس کی اجازت کے۔﴾ (بقرہ:۲۵۵)

اس لیے اے مسلمان! اپنی موت سے پہلے اپنی آخرت کی فکر کر اور اپنی سوچ کو ٹھیک کر لے، بدعتوں سے رسم و رواج سے جہالت وضد سے اپنے آپ کو پاک کر لے کہ مرنے بعد صرف حسرت رہ جائے گی اس کی طرف لوٹ جس کے ہاتھ میں سب کچھ ہے اور اس کی طرف سے اپنی نگاہ پھیر جس کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں۔ روز قیامت کوئی کسی کے کام نہ آئے گا نہ باپ، نہ محبت کرنے والی ماں، نہ بیوی نہ اولاد نہ مال بس اعمال ہوں گے اور اس مالک کا کرم!

درود شریف کی خاص فضیلت

عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي أُكْثِرُ اَلصَّلَاةَ عَلَيْكَ فَكَمْ أَجْعَلُ لَكَ مِنْ صَلَاتِيْ فَقَالَ مَا شِئْتَ قُلْتُ الرُّبُعَ قَالَ مَا شِئْتَ فِإِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ قُلْتُ النِّصْفُ قَالَ مَا شِئْتَ فِإِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ قُلْت فَالثُّلُثَيْنِ قَالَ مَا شِئْتَ فِإِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ قُلْت أَجْعَلُ لَكَ صَلَاتِي كُلَّهَا قَالَ إِذًا تُكْفٰى هَمُّكَ وَ يُغْفَرُ لَكَ ذَنْبُكَ.

(سنن الترمذی، کتاب صفة القیامة و الرقائق و الورع)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: ''میں چاہتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود زیادہ بھیجا کروں، پس (آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے بتا دیجیے کہ) میں اپنی دعا میں سے کتنا حصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ کے لیے مخصوص کردوں؟'' (یعنی میں اپنے لیے دعا کرنے میں جو وقت صرف کرتا ہوں اس میں سے کتنا وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ کے لیے مخصوص کردوں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جتنا چاہو۔'' میں نے عرض کیا کہ: ''میں اس وقت کا چوتھائی حصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ کے لیے مخصوص کردوں گا۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جتنا تم چاہو، اور اگر اور زیادہ کردو گے تو تمہارے لیے ہی بہتر ہوگا۔'' میں نے عرض کیا: ''تو پھر میں آدھا وقت اس کے لیے مخصوص کرتا ہوں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جتنا تم چاہو کردو، اور اگر اور زیادہ کردو گے تو تمہارے لیے بہتر ہی ہوگا۔'' میں نے عرض کیا: ''تو پھر میں دو تہائی وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ کے لیے مخصوص کرتا ہوں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جتنا تم چاہو کردو، اور اگر اور زیادہ کردو گے تو تمہارے لیے خیر ہی کا باعث ہوگا۔'' میں نے عرض کیا: ''پھر تو میں اپنی دعا کا سارا ہی وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ کے لیے مخصوص کرتا ہوں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر تم ایسا کرو گے تو تمہاری ساری فکروں اور ضرورتوں کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کفایت کی جائے گی اور تمہارے گناہ وقصور ختم کردیئے جائیں گے۔''

فائدہ:

لغوی طور پر صلوٰۃ کے معنی دعا، رحمت اور استغفار کے ہیں اور درود کا مطلب ہے بندوں کی جانب سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ تعالیٰ کی ایسی رحمت طلب کرنا جس میں دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی شامل ہو۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو حکم ہے:

﴿بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں ان (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) پر، اے ایمان والو! ان (یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) پر سلام و رحمت بھیجو۔﴾ (احزاب:۵۶)

اس آیت کا اصل مفہوم تو یہ ہے کہ اللہ اور اس کے فرشتے ہمیشہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے رہتے ہیں۔ اور اس کا حکم ہم بندوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا جارہا ہے۔ حکم کا یہ انداز دوسرے کسی اور عمل کے لیے نہیں کہا گیا، کہ اللہ اور اس کے فرشتے یہ کام کرتے ہیں تم بھی یہ کرو۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی کتنی اہمیت وعظمت ہے۔ اللہ کا صلوٰۃ بھیجنا اس کا اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت وشفقت کرنا ہے اور فرشتوں اور بندوں کا درود بھیجنا ان کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دعائے رحمت کرنا ہے۔ ہم بندوں کو اللہ ہی سے درخواست کرنی ہے کہ وہ اپنی بے حد وحساب رحمت اپنے محبوب بندے پر نازل فرمائے اس لیے کہ ہم میں کیا طاقت ہے کہ محبوب خدا کی بارگاہ میں ان کے مرتبے کے لائق ہدیہ پیش کرسکیں۔ اور پھر یہ بندوں پر اللہ کا انعام اور اس کی رحمت ہے کہ وہ ان رحمتوں کو عاجز بندوں کی طرف منسوب کردیتا ہے۔ **اللھم صلی اللہ محمد النبی الامی و علی آلہ و اصحابہ اجمعین۔**

علمائے کرام نے لکھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کے بے شمار فوائد ہیں۔ جیسا کہ اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان محبین ومخلصین کے بارے میں جو اپنی دعائیں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وقف کردیں اور اپنے ذاتی مسائل ومقاصد کے لیے دعاؤں کی جگہ بھی بس آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجیں بتایا ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا یہ خاص الخاص فضل وکرم ہوگا کہ ان کے مسائل وضرورتیں غیب سے حل کئے جائیں گے اور ان کے گناہ دھوڈالے جائیں گے۔ اس کا راز یہ ہے کہ جس طرح قرآن مجید کی تلاوت سے خاص تعلق اور اسی کو اپنا وظیفہ بنالینا اللہ تعالیٰ کی مقدس کتاب پر ایمان اور اس سے محبت وتعلق کی خاص نشانی ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام سے ایسا تعلق کہ اپنے ذاتی مقاصد ومسائل کے لیے دعا کی جگہ بھی صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھیجا جائے اللہ تعالیٰ کے محبوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کامل ایمان اور سچے ایمانی تعلق و قلبی محبت کی علامت ہے۔ ایسے مخلص بندے بے شک اس بات کے مستحق ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے سارے مسائل ومشکلات اور ضرورتیں اپنی بے پایہ رحمت سے بلا ان کے مانگے پوری فرمائے۔

ہر درد کی دوا ہے صل علی محمد ہر مرض کی شفا ہے صل علی محمد

ایمان کی دولت دنیا و آخرت کی سب سے بڑی دولت ہے اور یہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ہی ملی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت سے سخت مصیبتیں اٹھا کر ہدایت اور دین کی روشنی ہم تک پہنچائی ہے۔لہذا اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ احسان ہم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ہے۔ہم آپ صلی اللہ وعلیہ وسلم کے احسان کا کوئی بدلہ نہیں اتار سکتے بس زیادہ سے زیادہ ہم یہ کر سکتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود وسلام بھیجیں،اور اس طرح اپنی شکرگزاری کا ثبوت دیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ دعا اس وقت تک زمین اور آسمان کے درمیان معلق رہتی ہے جب تک تم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم درود نہ بھیجو،(ترمذی)۔ایک روایت میں آتا ہے کہ جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھتا ہے میں اس کو سنتا ہوں اور جو شخص دور سے مجھ پر درود بھیجتا ہے وہ میرے پاس پہنچا دیا جاتا ہے،(بیہقی)۔ایک اور روایت میں آتا ہے کہ تم مجھ پر درود پڑھا کرو کیونکہ تم جہاں کہیں بھی ہو تمہارا درود میرے پاس پہنچتا ہے،(سنن دارمی)۔اس کی صورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روایت میں نے یہ بتائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے فرشتے ایسے ہیں جو زمین میں پھرتے رہتے ہیں اور میری امت کی طرف سے مجھے سلام پہنچاتے ہیں،(نسائی،دارمی)۔ایک روایت میں آتا ہے کہ جو شخص مجھ پر ایک دفعہ درود پڑھے اللہ تعالیٰ اس پر دس دفعہ صلوٰۃ بھیجتے ہیں،(صحیح مسلم)۔اللہ تعالیٰ کی ایک نظر رحمت ہی بندے کے لیے ساری دنیا سے بڑھ کر ہے اور یہاں دس رحمتوں کی خوشخبری ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجنا خود ہماری اعلیٰ درجے کی سعادت اور نیک بختی ہے،اور یہ دنیا و آخرت میں ہمارے لیے بے شمار رحمتوں اور برکتوں کا سبب بنے گی۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کائنات کا حسن ہے،وسیلہ نجات ہے،ذریعہ شفاعت ہے اور آخرت کے لیے بہترین زادراہ ہے،اللہ تعالیٰ ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود شریف سے کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین!

اک ذکر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاں میں دوام ہے　　　تاحشر ان کے ذکر سے گونجے گی یہ فضا

درود شریف کے سلسلے میں یہ بات بھی اہم ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لکھے تو صلوٰۃ وسلام بھی لکھے یعنی صلی اللہ علیہ وسلم، پورا لکھنے میں کوتاہی نہ کرے۔یہ بھی اجر سے خالی نہیں ہے۔

رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم

عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ادْعُ عَلَی الْمُشْرِکِیْنَ قَالَ إِنِّی لَمْ بُعِثْتُ لَعَّانًا وَ إِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً۔

(صحیح مسلم، کتاب البر و الصلة و الآداب، باب النهی عن لعن الدواب و غیرها)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین اور کفار کے حق میں بددعا فرمائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ’’میں لعنت اور بددعا کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا ہوں بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔‘‘

فائدہ:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا:

﴿بے شک ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔﴾ (الانبیاء: ۱۰۷)

زمان و مکان ہر لحاظ سے یہ ایک عظیم اعلان ہے۔ زمانی وسعت یہ ہے کہ بعثت محمدی سے لے کر قیامت تک جتنی نسلیں دنیا میں آئیں گی اور تاریخ کے جتنے بھی دور گزریں گے یہ اعلان ہر دور میں پڑھا جائے گا۔اس کے پڑھنے والے بھی لاکھوں کروڑوں انسان ہوں گے۔مکانی رقبہ کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ دنیا کے ہر حصہ میں یہ اعلان پڑھا جائے گا۔

کسی چیز کی اہمیت وعظمت اور قدر و قیمت کا تعین کرنے کے لیے عام طور پر دو پیمانے ہوتے ہیں ایک کمیت اور دوسری کیفیت، یہ قرآنی اعلان ان دونوں پہلوؤں پر مشتمل ہے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و نبوت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود گرامی اور آپ کی تعلیمات سے انسانیت کو جو فیض پہنچا اس پر رحمتوں اور برکتوں کا جو دروازہ کھلا وہ اپنی وسعت و کثرت اپنی کمیت و کیفیت کے اعتبار سے بے نظیر و بے مثال ہے۔

رحمت ایک ایسا لفظ ہے جس کا استعمال ہر اس چیز کے لیے ہوتا ہے جس سے کسی انسان کو فائدہ یا راحت حاصل ہو۔لیکن رحمت کا سب سے بڑا مظہر یہ ہے کہ کسی جان بلب مریض کی جان بچالی جائے، کسی دم توڑتے آدمی کو سہارا دے کر اس کی حیات نو کا سبب بنا جائے، لیکن رحمت کا عظیم ترین مظہر یہ ہے کہ پوری انسانیت کو ہلاکت سے بچایا جائے پھر ہلاکت، ہلاکت اور خطرہ، خطرہ میں بھی زمین وآسمان کا فرق ہے۔ ایک عارضی ہلاکت اور تھوڑی دیر کا خطرہ ہے اور ایک ابدی ہلاکت اور دائمی خطرہ ہے، اللہ تعالیٰ کے پیغمبر انسانوں کے ساتھ جو رحمت کا معاملہ کرتے ہیں وہ ان رحمتوں پر قیاس نہیں کیا جاسکتا جو عام رحمتیں ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اپنی قوم اور پوری انسانیت کے ساتھ عظیم ترین احسان اور رحمت کا معاملہ فرمایا وہ یہ کیا کہ انہیں توحید کی عظیم ترین نعمت سے مالا مال فرمایا اور انہیں ہمیشہ کے خسارے سے بچالیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عرب کا کیا حال تھا اس کا اندازہ قرآن کریم کی اس آیت سے بخوبی کیا جاسکتا ہے:

﴿اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے، اللہ تعالیٰ نے تم کو اس سے بچالیا۔﴾ (آل عمران:۱۰۳)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کفار ومشرکین آپ کے اور آپ کے لائے ہوئے دین حق کے انتہائی درجہ کے دشمن تھے۔خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں کو ہر طرح کی ایذائیں دیتے تھے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا عزیز اور مقدس وطن مکہ مکرمہ چھوڑنا پڑا۔ اس کے بعد بھی ان کی شرانگیزیوں کا سلسلہ جاری رہا تو کسی وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام نے درخواست کی کہ حضور ان ظالموں بدبختوں کے حق میں بددعا فرمائیں کہ اللہ ان پر اپنا قہر وعذاب نازل فرمائے اور یہ ہلاک و برباد کردیئے جائیں، جس طرح پچھلی بہت سی امتوں کے ایسے ظالم کفار پر عذاب نازل ہوا اور زمین ان کے وجود سے پاک کردی گئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درخواست کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس لیے نہیں بھیجا کہ میں لعنت اور بددعا کروں مجھے تو سارے عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔یعنی میرا نمایاں وصف رحمت ہے، یہ چیز میرے شایان شان نہیں ہے کہ میں بددعائیں دوں اگر چہ اہل شرک میری دشمنی میں حد درجہ سرگرم ہیں۔میری بعثت کی غرض و غایت تو یہ ہے کہ میں لوگوں کو اللہ کی رحمت سے قریب کرنے کے لیے کوشاں رہوں، اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دن رات کی دعوت دین اور اپنی امت سے ایک خاص الفت ومحبت جو کہ کسی بھی انسان کے اندر نہیں پائی جاتی نے ان عربوں کی کایا پلٹ دی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رحمت للعالمین کے درجے پر فائز ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ دوسروں کے کام آتے اور شب وروز عبادت میں مصروف رہتے، ہمیشہ دوسروں کی غلطیاں معاف فرماتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ مسلمانوں کے لیے بہترین نمونہ عمل ہے لہذا ہمیں چاہیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے راستے پر چلیں اور ان اعمال سے دور رہیں جن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی وسعت

عَنْ عُمَرَ رَضِی اللّٰہ عَنْہُ قَالَ قَامَ فِیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہ صلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّم مَقَامًا فَاَخْبَرَنَا عَنْ بَدْءِ الْخَلْقِ حَتّٰی دَخَلَ اَھْلَ الْجَنَّۃِ مَنَازِلَھُمْ وَ اَھْلَ النَّارِ مَنازِلَھُمْ حَفِظَ ذٰلِکَ مَنْ حَفِظَ وَ نِسِیُہ مَنْ نِسِیَہُ.

(صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب ما جاء فی القول اللہ تعالیٰ و ھو الذی یبدا ...)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (ایک بار) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان (بہت دیر تک) کھڑے رہے اور ہمیں ابتدائے کائنات کے متعلق خبر دی یہاں تک کہ اہل جنت کے اپنے مقامات میں داخل ہونے اور اہل نار کے اپنے مقامات میں داخل ہونے تک کی خبر دی۔ جس نے اس (بات کو) یاد رکھا سو اس نے یاد رکھا اور جو بھول گیا سو بھول گیا۔

فائدہ:

افضل البشر افضل الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو جو بے شمار کمال دیے گئے ہیں وسعت علم بھی انہی کمالات میں سے ایک ہے۔ یہ حدیث اس بات کی خبر دے رہی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابتدائے خلق سے لے کر اہل جنت اور اہل جہنم کے اپنے اپنے مقامات پر مطلع تھے۔ اور بھی کئی احادیث ہیں جن سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب پر اطلاع تھی۔ مثلاً بدر کے معرکے سے پہلے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ان مقامات کی نشاندہی فرما دی جہاں جہاں کفار کی لاشیں گریں گی، (بحوالہ صحیح مسلم)۔ سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت کی خبر دینا، (بحوالہ ابن ماجہ)، غزوہ خیبر کے موقع پر آپ کا یہ فرمانا کہ میں کل جھنڈا اس شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ فتح دے گا (یعنی سیدنا علی رضی اللہ عنہ) اور ایسا ہونا۔ جنگ موتہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت زید اور حضرت عبداللہ بن رواحہ کی شہادت اور حضرت خالد بن ولید کا لشکر اسلام کی قیادت کرنے کی اطلاع دینا۔

لیکن دوسری احادیث اور قرآن پاک کی کئی آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب نہیں تھا۔ مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا زہر آلود گوشت نوش فرما لینا، (بحوالہ صحیح بخاری)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا منافقین کے کہنے پر ستر صحابہ کو ان کی طرف بھیج دینا جو شہید کر دیے گئے، (بحوالہ صحیح بخاری)۔ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک موقع پر فرمانا: ''اللہ کی قسم میں نہیں جانتا، حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا اور تم لوگوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا''، (بحوالہ صحیح بخاری)۔ ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جس نے یہ عقیدہ رکھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کل کی بات بتا دیتے ہیں تو اس نے اللہ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا، (بحوالہ صحیح بخاری)۔ قرآن پاک میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے کہلوایا ہے کہ مجھے غیب کی باتوں کا علم نہیں۔ مثلاً:

﴿(اے نبی) کہہ دیجیے، میں نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ ہی میں غیب کا علم رکھتا ہوں۔﴾ (انعام:۶)

﴿اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو میں اپنے لیے بہت سی بھلائی جمع کر لیتا۔﴾ (اعراف:۷)

﴿اور ہم نے نہیں سکھایا ان کو شعر کہنا اور نہ وہ ان کی شان کے لائق ہے۔﴾ (یٰس:۶۹)

سورہ آیت ۱۲۳ میں بتایا گیا کہ علم غیب تو صرف اللہ کے پاس ہے۔ فرمایا:

﴿اور اللہ ہی کے پاس ہے آسمان اور زمین کے غیب۔﴾

سورہ انعام آیت ۵۹ میں ارشاد فرمایا:

﴿اللہ ہی کے پاس ہیں غیب کی کنجیاں جنہیں وہی جانتا ہے۔﴾

سورہ جن آیت نمبر ۲۶ اور ۲۷ میں فرمایا:

﴿وہی غیب کا جاننے والا ہے، وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔ ہاں جس رسول کو پسند فرمائے (اس کو اطلاع دیتا ہے)۔﴾

ان تمام آیات و احادیث کو سامنے رکھتے علمائے اہل سنت والجماعت نے جو بات بیان کی ہے وہ کچھ یوں ہے: علم اللہ کی صفت ہے اور اس کی خاص الخاص صفات میں سے ہے اور یہ کہ علم غیب تو صرف اللہ ہی کو ہے اس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اس کا علم ذاتی ہے یعنی اپنی ذات سے ہے کسی کا دیا ہوا نہیں ہے۔ ہمیشہ سے ہے اور لامحدود ہے۔ اس کے علاوہ جسے بھی کچھ علم ہے وہ اس کے دینے سے ہے از خود نہیں۔ اس نے اپنے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیائے کرام کو اپنی مشیت اور مرضی سے بعض غیوب کی اطلاع دی ہے۔ اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مخلوقات سے زیادہ علوم عطا ہوئے ہیں لیکن یہ محدود ہیں عطائی ہیں اور مرضی حق تعالیٰ کے تابع ہیں کہ اطلاع کرنے سے جانتے ہیں۔ اور ان علوم میں جو آپ کے منصب رسالت کے مناسب ہیں آپ

ساری مخلوق سے بڑھے ہوئے ہیں اور دیگر مخلوق کے لیے ان کا احاطہ ناممکن ہے۔ اس تمام تفصیل کے پیش نظر اہل علم حضرات نے یہ وضاحت بھی کردی ہے کہ مخلوق کو عالم الغیب کہنا مکروہ تحریمی ہے۔ کیونکہ یہ کلمہ صرف ذات حق تعالیٰ ہی کے لائق ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا والیان سلطنت کو خط لکھنا

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِیَّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَتَبَ إِلَی کِسْرَی وَ إِلَی قَیْصَرَ وَ إِلَی النَّجَاشِیِّ وَ إِلَی کُلِّ جَبّارٍ یَدْعُوھُمْ إِلَی اللّٰہِ وَ لَیْسَ بِالنَّجَاشِیِّ الَّذِی صَلَّی عَلَیْہِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

(صحیح مسلم، کتاب الجھاد و السیر، باب کتب النبی صلی اللہ علیہ وسلم إلی ملوک الکفار یدعوھم إلی اللہ عز و جل)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسری (ایران کا بادشاہ)، قیصر (روم کا بادشاہ)، اور نجاشی (حبشہ کا بادشاہ) اور ہر مقتدر بادشاہ (حاکم) کو خطوط لکھے۔ (جن میں انہیں) اللہ (یعنی دین اسلام) کی طرف بلایا گیا تھا (اور) جس نجاشی (کا یہاں ذکر ہے یہ) وہ نجاشی نہیں جس کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (مدینہ منورہ میں غائبانہ) نماز جنازہ پڑھی تھی۔

فائدہ:

جو لوگ اللہ تعالیٰ کو کائنات کا حقیقی مالک و فرمانروا مانتے ہیں اور اس کے اتارے ہوئے قانون کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہیں ان کو اس بات کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے کہ وہ پوری کائنات کو اللہ بزرگ و برتر کے احکام کی تبلیغ کریں اور اللہ کی زمین پر اللہ کے کلمے کو بلند کریں۔ اس دعوت و تبلیغ کے مختلف طریقے ہیں انہی میں سے ایک طریقہ خط و کتابت بھی ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مختلف غیر مسلم بادشاہوں اور سربراہان مملکت کو خطوط ارسال فرمائے جن میں انہیں گمراہی چھوڑ کر اسلام کی راہ پر آنے کی دعوت دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو گرامی نامہ روم کے عیسائی بادشاہ قیصر کو ارسال کیا تھا اس کے الفاظ یہ تھے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد کی جانب سے جو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہے۔ ہرقل کے نام جو روم کا حکمران اعلیٰ ہے۔ اس پر سلامتی ہو جو ہدایت کا پیرو ہے۔ اما بعد! میں آپ کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ آپ اسلام قبول کر لیجیے محفوظ و مامون ہو جائیں گے۔ آپ مسلمان ہو جائیں اللہ تعالیٰ آپ کو دہرا اجر دے گا (ایک تو حضرت عیسی علیہ السلام پر ایمان لانے کا اور ایک مجھ پر ایمان لانے کا)۔ اور اگر آپ منہ پھیریں گے (یعنی اسلام قبول نہیں کریں گے) تو (آپ پر واضح ہونا چاہیے کہ) اپنی رعایا کا گناہ بھی آپ پر ہوگا۔ اور اے اہل کتاب ایسے کلمے کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے اور وہ کلمہ یہ ہے کہ **ان لا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا و لا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ فان تولو فقولو اشھدوا بانا مسلمون،** (القرآن)۔ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا رب نہ بنائے (جیسا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسی کو رب بنا لیا ہے)۔ پس اگر (اہل کتاب اس بات کو قبول کرنے سے) انکار کریں تو (اے مومنو!) تم یہ اعلان کر دو کہ (اے کافرو!) گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں، (بحوالہ بخاری، مسلم)۔

اس خط سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔ سب سے پہلے تو یہ معلوم ہوا کہ خط لکھنے کا مسنون طریقہ یہ کہ تحریر کی ابتدا بسم اللہ سے ہو پھر خط لکھنے والے کا نام ہو اور اس کے بعد جس کو خط لکھا جا رہا ہے اس کا نام آئے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل کو جو غیر مسلم تھا السلام علیکم کے بجائے **سلام علی من اتبع الھدی** (اس پر سلامتی ہو جو ہدایت کا پیرو ہوا) تحریر فرمایا جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ غیر مسلم کو براہ راست سلام کرنے کی بجائے کنایۃ سلام کیا جائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فارس یعنی ایران کے بادشاہ کو بھی اپنا مکتوب گرامی بھیجا تھا۔ اس سلطنت کے بادشاہ کا لقب خسرو ہوا کرتا تھا جسے عرب لوگ کسری کہتے تھے۔ ان کا مذہب آتش پرستی تھا۔ یہاں کے بادشاہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ مبارک کو پڑھ کر پھاڑ ڈالا تھا۔ اس کی اطلاع ملنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ پارہ پارہ ہو جائیں گے بالکل پارہ پارہ، (بحوالہ صحیح بخاری)۔ چنانچہ بہت جلد اندرونی و بیرونی خلفشار کی وجہ سے اس عظیم سلطنت کے پرزے پرزے اڑ گئے۔

ختم رسالت ونبوت

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلاَ رَسُوْلَ بَعْدِيْ وَلَا نَبِيَّ قَالَ فَشَقَّ ذٰلِكَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ لٰكِنِ الْمُبَشِّرَاتِ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ قَالَ رُؤْيَا الْمُسْلِمِ وَهِيَ جُزْءٌ مِّنْ اَجْزَآءِ النُّبُوَّةِ۔

(سنن الترمذی في كتاب الرؤيا، باب ذهبت النبوة و بقيت المبشرات)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ:''رسالت اور نبوت منقطع ہوگئی ہیں اوراب میرے بعد کوئی نبی یا رسول نہیں آئے گا۔''لوگوں پر یہ بات شاق گزری تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''لیکن مبشرات باقی رہیں گی۔''عرض کیا گیا کہ مبشرات کیا ہیں؟ فرمایا:''مسلمان کا خواب اور یہ نبوت کے اجزاء میں سے ایک ہے۔''

فائدہ:

نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اہم ترین خصوصیت قرآن نے ہمیں بتائی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم''خاتم النبین''ہیں،ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں،مگر وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور نبیوں کے سلسلے کوختم کرنے والے ہیں۔﴾

(احزاب:۴۰)

یعنی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے رسالت ونبوت کا سلسلہ بند کر دیا گیا اب کسی کو رسالت ونبوت نہیں دی جائے گی بس جن کوملنی تھی مل چکی۔اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا دور سب نبیوں کے بعد رکھا گیا جو قیامت تک چلتا رہے گا،حضرت مسیح علیہ السلام بھی قیامت کے قریب بحیثیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک امتی کے نازل ہوں گے۔

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کرحضرت مسیح علیہ السلام تک ہر نبی ہر رسول نے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں تشریف آوری کی خوش خبری سنائی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پرختم نبوت کا فیصلہ پہلے ہی ہو چکا تھا اگر چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اور بعثت آخر میں ہوئی،کسی نے کیا خوب کہا ہے:

انبیاء آگئے مرسلین آگئے مقتدی آچکے تو امام آگیا

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر رسالت ونبوت کے خاتمے کی دلیل کے طور پرخود خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات حسب ذیل ہیں:

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''میری مثال اور مجھ سے پہلے گذرے ہوئے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے ایک عمارت بنائی اوراسے خوب حسین وجمیل بنایا مگر ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی تھی،لوگ اس کے گرد پھرتے اوراس کی خوبی پر اظہار حیرت کرتے تھے اور کہتے تھے یہ اینٹ بھی کیوں نہ رکھ دی گئی؟ تو وہ اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم ہوں''(بحوالہ بخاری ومسلم)

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:''ہم سب سے آخر ہیں اور قیامت کے روز سب سے پہلے ہو جائیں گے،صرف اتنی بات ہے کہ پہلے لوگوں کو کتاب ہم سے پہلے دی گئی ہے اورہمیں ان کے بعد دی گئی ہے۔''(بحوالہ بخاری،مسلم ونسائی)

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ:''میں آخری نبی ہوں اور میری مسجد آخری مسجد ہے۔''(بحوالہ مسلم ونسائی)

☆رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ:''بنی اسرائیل کی قیادت انبیاء کرتے تھے،جب کوئی نبی مرجاتا تو دوسرا نبی اس کا جانشین ہوتا،لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے بلکہ خلفاء ہوں گے اور وہ بہت ہوں گے۔''(بحوالہ بخاری،مسلم،ابن ماجہ ومسند احمد)

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ:''میری امت میں تیس کذاب ہوں گے ان میں سے ہرایک اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کرے گا،حالانکہ میں خاتم النبین ہوں،میرے بعد کوئی نبی نہیں۔''(بحوالہ مسلم)

ان احادیث سے واضح طور پر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت آخری رسالت ہے،اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی ونبوت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا،اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو دین اسلام لے کر آئے،اللہ تعالیٰ نے اس کی بھی تکمیل کا اعلان فرمادیا:

﴿آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کومکمل کردیا اورتم پر اپنی نعمت پوری کی ہے اور میں نے اسلام کوتمہارے لیے بطور دین پسند کیا ہے۔﴾

(المائدۃ:۳)

اس آیت کریمہ کے ضمن میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب وصال (وفات) کی طرف واضح اشارہ موجود ہے نیز پیغام رسالت کی ابدیت کوبھی

صاف صاف بیان کر دیا گیا ہے اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امانت الٰہی لوگوں کے حوالے کر دی ہے اور راہ حق میں قربانی و جانفشانی کا حق ادا کر دیا ہے اور ایک ایسی امت تیار کر دی ہے جو نبوت کی ذمہ داریوں کو منصب نبوت پر فائز ہوئے بغیر انجام دے سکتی ہے۔ظاہر بات ہے کہ دین کی تکمیل کے بعد کسی نبی کے آنے کی ضرورت باقی نہیں رہی،اس کے علاوہ جو قرآن آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اس کی بابت اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرمایا:

﴿ہم نے اس ذکر (قرآن) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔﴾ (الحجر:۹)

اللہ تعالیٰ کے اس اعلان سے بھی ختم نبوت کی دلیل ملتی ہے،کیوں کہ جو پچھلی آسمانی کتابیں نازل ہوتی رہیں ان کی حفاظت کا چونکہ اللہ نے وعدہ نہیں فرمایا تھا،اس لیے وہ تحریف سے محفوظ نہ رہیں۔اس کی وجہ یہ تھی کہ نبوت کا سلسلہ جاری تھا اور ہر نئے آنے والے نبی پر نیا صحیفہ نازل ہو جاتا جس سے پچھلی کتابیں منسوخ ہو جاتی تھی جیسے قرآن مجید کے نزول سے تمام پچھلی آسمانی کتابیں منسوخ قرار پائیں۔لیکن چونکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی اور قرآن مجید کے بعد کوئی آسمانی کتاب نازل نہیں ہونے والی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ بھی خود لے لیا۔

اب یہ خاتم الانبیاء سے محبت کا دم بھرنے والوں کے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امت کے لیے کیا کیا قربانیاں دیں اور آج ہم ان کے احسانات کا کیا حق ادا کر رہے ہیں؟ ہمارا اولین فرض یہ ہے کہ ختم نبوت کے عقیدت کے حوالے سے عوام میں بیداری پیدا کریں۔آج فتنہ قادیانیت اپنے عروج پر ہے اور اس کے سدباب کی ذمہ داری پوری امت مسلمہ پر عائد ہوتی ہے۔اس گمراہ کن فرقے کا یہ عقیدہ ہے کہ معاذ اللہ محسن کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مشن میں سراسر ناکام رہے۔بعض پیغامات کو سمجھ نہ سکے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سی غلطیاں ہوئیں۔دین اسلام کی تکمیل نہ کر سکے(نعوذ باللہ)۔یہ ایک ایسا غلیظ فتنہ ہے جسے اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں اہل حق کے نزدیک واجب القتل قرار دیا گیا ہے۔آج یہی غلیظ افکار کے پیروکار ہماری سستی کی وجہ سے اپنے ناپاک مشن کو اسلام کا روپ دھار کر غیر مسلموں کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ہمیں اس کا مقابلہ کرنا ہے اور اس دین کی حرمت کو بچانا ہے اور اس دین کی حرمت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کو چیلنج کیا گیا یا ختم نبوت کے ساتھ کھیلا جائے تو یہ دین محفوظ نہیں رہے گا۔یہ دین بدل جائے گا اور پھر اس سلسلہ میں ہم سب مسلمانوں کا مواخذہ ہوگا۔ہم سب پر اس بات کی ذمہ داری ہے کہ اس دین کی حفاظت کریں۔جو بھی اس کی فکر کرے گا اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا بڑا درجہ ہوگا اور وہ قیامت میں سرخرو ہوگا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سرخرو ہو کر آئے گا۔اور اگر ہم اس سلسلہ میں کوتاہی کریں گے تو ہم اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا منھ دکھائیں گے۔ذرا سوچئے تو کہ ہم جس پر فدا ہیں،جن پر ہم جان قربان کرنے کے لیے تیار ہیں اور اپنی عزت اور اپنے خاندان کی عزت قربان کرنے کے لیے تیار ہیں ان کے سامنے ہم کس منھ سے جائیں گے کہ ان کی ختم رسالت و نبوت کے ساتھ کھیل ہوتا رہا اور ہم بیٹھے عیش و تفریح کر رہے ہوں اور ہم پر کوئی اثر نہ پڑے۔ایسے میں تو آدمی کی نیند حرام ہو جانی چاہیے۔آدمی اپنے آرام و چین کو چھوڑ دے اور اس میں لگ جائے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت سے ہم کسی کو کھیلنے نہیں دیں گے۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت کی ہم پوری حفاظت کریں گے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح عمل کی توفیق نصیب فرمائے اور اسلام کے خلاف جو فتنے اٹھ رہے ہیں ان کو سمجھنے اور ان کا مقابلہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین یا رب العالمین!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح

عَنْ اَنَسٍؓ اَنَّهٗ مَشٰى اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِخُبْزِ شَعِيرٍ وَّ اِهَالَةٍ سَنِخَةٍ وَّ لَقَدْ رَهَنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِرعًا بِالْمَدِيْنَةِ عِنْدَ يَهُوْدِيٍّ وَّ اَخَذَ مِنْهُ شَعِيرًا لِّاَهْلِهٖ وَ لَقَدْ سَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ مَا اَمْسٰى عِنْدَ اٰلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَاعُ بُرٍّ اَوصَاعُ حَبٍّ وَاِنَّ عِنْدَهٗ تِسْعَ نِسْوَةٍ۔

(بخاری کتاب البیو ع، باب شراء النبی صلی الله علیه وسلم بالنسیئة)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جو کی روٹی اور بگڑا ہوا (باسی) روغن (سالن کے طور پر) لے کر گئے۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت اپنی زرہ مدینہ میں ایک یہودی کے یہاں گروی رکھی تھی اور اس سے اپنے گھر والوں کے لیے جو بطور قرض لیا تھا۔میں نے خود (حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ:''آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے یہاں کوئی شام ایسی نہیں آئی جس میں ان کے پاس ایک صاع گیہوں یا ایک صاع کوئی غلہ موجود رہا ہو حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کی تعداد نو تھی۔''

فائدہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی پر اگر نظر ڈالی جائے تو یہ نظر آتا ہے کہ ۶۳ سالوں میں سے ابتدائی ۲۵ سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کنوارے رہے۔اور ان تمام پچیس سالوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کمال تقوی اور پرہیز گاری سے گزرتی ہے کہ اپنے پرائے سب ان کی شرافت اور پرہیزگاری کے معترف ہیں۔یہی وہ عمر ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسی خاتون کے ساتھ نکاح فرماتے ہیں جو عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ۱۵ سال بڑی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آنے سے پہلے دوشوہروں کی بیوی رہ کر کئی بچوں کی ماں بن کر عمر کے چالیس سال گزار چکی ہے۔اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس اہلیہ کے ساتھ پورے پچیس سال گزار دیے اور وہ بھی اس درجے وابستگی کے ساتھ کے کہ ان کی وفات کے بعد بھی ہمیشہ ان کو یاد فرمایا۔ چنانچہ ام المؤمنین صدیقہ کائنات سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''وہ مجھ پر ایمان لائی جب اوروں نے کفر اختیار کیا، اس نے میری تصدیق کی جب اوروں نے مجھے جھٹلایا، اس نے اپنے مال میں مجھے شریک کیا جب اوروں نے مجھے کسب مال سے روکا، اللہ نے مجھے اس کے بطن سے اولاد دی جب کہ کسی دوسری بیوی سے نہیں ہوئی۔''(بحوالہ مسند احمد)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کا ۵۵ سے ۵۹ سال کا عرصہ ایسا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد نکاح فرمائے۔ان تمام نکاحوں کے پیچھے حکمتیں اور خاص اسباب تھے جو بغیر نکاح کے حاصل نہیں ہو سکتے تھے۔

مثلاً ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے سے پہلے یہودی کسی نہ کسی طور مسلمانوں سے نبرد آزما تھے لیکن حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو پہلے یہودی تھیں جب کاشانہ نبوت میں داخل ہوگئیں تو یہود مسلمانوں کے خلاف کسی جنگ میں شامل نہ ہوئے۔

ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ابوسفیان کی بیٹی تھیں جو کفار مکہ کا سردار تھا اور ہر معرکے میں پیش پیش رہتا تھا۔لیکن جب خود اس کی بیٹی حرم نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہوگئی تو اس کا سارا زور ختم ہوگیا بلکہ کچھ وقت نہ گزرا کہ وہ خود مسلمان ہوگئے۔

ام المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تعلق ایک ایسے قبیلہ سے تھا جس کو مسلمانوں سے سخت عداوت تھی۔مسلمانوں کے خلاف ہر معرکے میں اس قبیلے کے افراد ضرور شریک ہوتے تھے۔جب اس قبیلے کے سردار کی بیٹی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آگئی تو یہ سارا قبیلہ تائب ہو کر مسلمان ہوگیا۔

ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہن نجد کے ایک سردار کے گھر میں تھی۔اس نکاح سے پہلے یہ علاقہ مسلمانوں کا دشمن سمجھا جاتا تھا۔یہی وہ علاقہ ہے جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ستر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین شہید کر دیے گئے تھے۔اس نکاح کی برکت سے اس علاقے میں دعوت اسلام کی راہ ہموار ہوئی۔

ام المؤمنین زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کی غرض یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے سے پہلے آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ بولے بیٹے زید بن حارثہ کی زوجیت میں تھیں۔ان سے طلاق کے بعد حکم الٰہی کی تکمیل کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحش سے نکاح فرما لیا تاکہ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ سے نکاح نہ کرنے کی جو رسم اس وقت کے عرب معاشرے میں رائج تھی اس کا خاتمہ کیا جائے۔

مذکورہ بالا حکمتوں اور مصلحتوں سے قطع نظر اس بات کا بھی ایک مسلمان کو شعور ہونا چاہیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس قدر عدل وانصاف وحسن سلوک کے ساتھ تعدد ازواج کو نبھایا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور اقوال زریں اس سلسلے میں نہایت قابل غور ہیں۔حدیث شریف میں آتا ہے کہ سب

لوگوں میں اچھا وہ ہے جو اپنے کنبہ کے ساتھ اچھا ہو اور میں تم سب سے بڑھ کر اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا ہوں۔(بحوالہ ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)۔ چنانچہ کھانے پینے، پہننے، مکان اور گزارہ اور ملاقات میں ہر ایک بیوی کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم برابر سلوک فرماتے تھے۔عموماً عصر کے بعد ہر ایک کے مکان پر تشریف لے جا کر ان کی ضروریات معلوم فرماتے اور بعد مغرب سب بیویوں سے ایک مکان میں مختصر ملاقات فرماتے تھے۔رات کو باری باری ہر ایک کے گھر میں گزارا کرتے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں کے ساتھ خوش مذاق تھے۔سفر میں روانہ ہونے کے وقت قرعہ اندازی کی جاتی تھی۔جس بیوی کا نام نکلتا اسی کو ساتھ لے لیتے تھے۔ہر ایک بیوی کے رہنے کا مکان الگ تھا اور یہ سب مکان نہایت چھوٹے اور ایک دوسرے سے لگے ہوئے تھے اور بنیادی ضروریات سے بھی تہی دامن تھے۔

امہات المومنین کے ذمہ یہ کام تھے:مسلمان عورتوں کوتعلیم دینا، ان کی درخواستوں اور سوالات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پہنچانا اور پھر ان درخواستوں اور سوالات کا جواب پہنچانا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جومعمولات زندگی اندرون خانہ تھے وہ امت تک پہنچانا۔

بعض امہات المومنین کے مختصر حالات مندرجہ ذیل ہیں:

ام المومنین خدیجۃ الکبری رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں سب سے پہلے آئیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں میں یہ سب سے پہلے ہیں۔ان سے پہلے نہ کوئی مرد مسلمان ہوا نہ کوئی عورت۔

ام المومنین سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ اپنے پہلے شوہر کے انتقال کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے انتقال کے بعد یہ پہلی خاتون ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔ان کا انتقال حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں ہوا۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مکہ معظّمہ میں ہوا اور رخصتی مدینہ منورہ میں ہوئی۔حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں کنواری تھیں اور جن کی پیدائش اسلام پر ہوئی۔ان کی شان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ صحیح بخاری میں موجود ہیں:''مردوں میں تو بہت لوگ تکمیل کے درجے کو پہنچے مگر عورتوں کے اندر صرف مریم دختر عمران اور فرعون کی بیوی آسیہ ہی تکمیل کو پہنچیں اور عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تو سب عورتوں پر ایسی فضیلت ہے جیسے ثرید کو سب کھانوں پر۔''

ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے سے پہلے خنیس بن حذافہ کے گھر میں تھیں۔ان کی شہادت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آگئیں۔انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی احادیث امت تک پہنچائی ہیں۔

ام المومنین زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے سے پہلے تین بار نکاح کر چکی تھیں۔تیسرے شوہر کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔نکاح کے صرف چند ماہ بعد ہی وفات پا گئیں۔

ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جن کا اصلی نام ہند تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آنے سے پہلے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی ابوسلمہ کے نکاح میں تھیں۔ابوسلمہ کی شہادت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح فرما لیا۔ان کے پہلے شوہر سے چار بچے تھے جو تمام کے تمام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پدرانہ تربیت میں رہے۔

ام المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ شرعی باندی تھیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خرید کر آزاد فرمایا اور ان سے نکاح کر لیا۔اس نکاح کا حتمی طور پر نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا تمام قبیلہ جو مسلمانوں کا غلام بن چکا تھا تمام کا تمام آزاد کر دیا گیا۔ان کی پہلی شادی مسافع بن صفوان سے ہوئی تھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کے ساتھ محبت و الفت میں،عنایت وشفقت اور دل داری میں،ادائے حقوق و وفاداری میں،تعلیم وتربیت میں تادیب و اصلاح میں اور پھر مختلف بیویوں سے عدل و انصاف میں جو کامل نمونہ پیش کیا ہے،وہ جب تک نسل انسانی کا وجود قائم ہے دنیا کے لیے ایک شمع ہدایت کا کام دے گا۔

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَثَلِیْ کَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا اَضَآءَ تْ مَا حَوْلَهَا جَعَلَ الْفِرَاشَ وَ هٰذِهِ الدَّوَابُّ الَّتِیْ تَقَعَ فِی النَّارِ یَقَعْنَ فِیْهِ وَ جَعَلَ یَحْجُزُهُنَّ وَ یَغْلِبْنَهٗ فَیَتَقَحَّمْنَ فِیْنَا فَاَنَا نَاْخُذُ بِحُجَزِکُمْ عَنِ النَّارِ وَ اَنْتُمْ تَقَحَّمُوْنَ فِیْهَا.

(صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب الانتهاء عن المعاصی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نے ارشاد فرمایا کہ: ''میری مثال ایسی ہے جیسی کہ کسی شخص نے آگ روشن کی ،لیکن جب اس نے اپنے گرد وپیش کو خوب روشن کر دیا تو پروانے اور یہ کیڑے جو آگ میں گرا کرتے ہیں اس میں گرنے لگے اور وہ ہے کہ انہیں روک رہا ہے اور وہ ہیں کہ اس پر غالب آ کر اس میں گھسے پڑتے ہیں تو (میری اور اپنی مثال ایسی سمجھو کہ) میں تمہاری کمر پکڑ پکڑ کر (دوزخ کی) آگ (میں جانے) سے روکتا ہوں اور تم ہو کہ اس میں گھسے پڑتے ہو۔''

فائدہ:

اس حدیث مبارکہ میں دنیا کے ناسمجھ انسانوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی محبت وخیر خواہی کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے اس سے زیادہ سچے اور موثر انداز میں کھینچنا ناممکن ہے، نہ پروانے کو انجام کا ہوش ہوتا ہے نہ آج کفر کو قیامت کی ہولناکیوں کی فکر۔ اپنی نادانی سے انجام سے فکر قربان ہونے والوں پر سب سے زیادہ رحم کھانے والا پکار رہا ہے کہ تم آگ میں جا رہے ہو کوئی نصیب والا ہوگا جو اس کی آواز سنے گا۔

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ایسے حالات میں ہوا جب کہ پوری انسانیت تاریکیوں مین ڈوبی ہوئی تھی۔کہیں دور وحشت چل رہا تھا اور کہیں شرک اور بت پرستی کی لعنتوں نے گھیرا ڈال رکھا تھا۔خود عرب کا قریب ترین ماحول جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اولین میدان تبلیغ بنا اس پر وحشت کا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ ہر طرف ایک انتشار تھا۔ انسان اور انسان کے درمیان تصادم تھا، جنگ وجدل اور لوٹ مار کا دور دورہ تھا،شراب اور زنا اور جوئے اور لوٹ مار والی جاہلی ثقافت زوروں پر تھی، جو زور والا تھا اس نے کمزوروں کو بھیڑ بکریوں کے گلوں کی طرح قابو میں کر رکھا تھا اور کمزور لوگ قوت والوں کے قدموں میں سجدہ ریز تھے گویا کہ ہمارے دور کی تصویر ہے۔ان حالات میں محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم عظیم ترین تبدیلی کا پیغام لے کر اکیلے وتنہا اٹھتے ہیں ایسے مایوس کن حالات میں کوئی دوسرا ہوتا تو شاید زندگی سے بھاگ کھڑا ہوتا۔دنیا میں ایسے نیک اور حساس لوگ کثرت سے پائے گئے ہیں جنھوں نے بدی سے نفرت کی،مگر وہ بدی کا مقابلہ کرنے پر تیار نہ ہو سکے اور اپنی جان کی سلامتی کے لیے دنیا سے کنارہ کش ہو کر غار اور کھوہ میں پناہ گزین ہوئے اور جوگی اور راہب بن گئے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کی کشتی کو طوفانی موجوں میں ہچکولے کھاتے چھوڑ کر اپنی جان بچانے کی فکر نہیں کی بلکہ بدی کے ہلاکت انگیز گردابوں سے لڑ کر ساری اولاد آدم کے لیے نجات کا راستہ کھولا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت نے انفرادی سطح پر بھی اور اجتماعی سطح پر بھی انسان کو بدل ڈالا اور صبغتہ اللہ کا ایک ہی رنگ مسجد سے لے کر بازار تک، مدرسہ سے عدالت تک اور گھروں سے لے کر میدان جنگ تک چھا گیا،خیالات کی رو بدل گئی،نگاہ کا زاویہ تبدیل ہو گیا،عادات واطوار بدل گئے،رسوم ورواج بدل گئے،حقوق وفرائض کی تقسیمیں بدل گئیں،خیر وشر کے معیارات اور حلال وحرام کے پیمانے بدل گئے،اخلاقی قدریں بدل گئیں،دستور اور قانون بدل گیا،جنگ وصلح کے طریقے بدل گئے،معیشت اور معاشرت کے ڈھنگ بدل گئے۔اس تبدیلی میں جس کا دائرہ ہر چیز کو گھیرے ہوئے تھا میں دین ودنیا میں کوئی تقسیم نہیں۔تنہائی میں اپنی جبین کو سجدوں سے سجانے والا اور بازار کے شور وغل میں حلال روزی کمانے والا دونوں ہی عبادت میں مشغول ہیں۔قانون الٰہی کے مطابق فیصلہ کرنے والا جج اور منبر پر بیٹھ کر نماز کے مسائل بتانے والا دونوں ہی عالم دونوں ہی اللہ کے دین داعی ہیں۔جو نماز میں امام ہے وہی لشکر کا سپہ سالار بھی ہے۔درحقیقت محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں انسانی زندگی کو ایک نئی حیات حاصل ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نئے نظام،نئی سوچ اور نئی فکر سے تہذیب انسانی کو روشناش کیا اور قومیتوں میں تقسیم انسان کو یگانگت، بھائی چارگی کا درس اور عملی نمونہ دیا جس میں ایک نسان کو دوسرے انسان پر رنگ نسل کی بنیاد پر نہیں بلکہ نیکی اور خیر کی بنیاد پر افضلیت حاصل ہوتی ہے جس سے ایک حقیقی بین الاقوامی تاریخ کا آغاز ہوا جو آج بھی جاری وساری ہے اور یہ اتنا بڑا کارنامہ ہے کہ اس کی مثال کسی دوسری جگہ نہیں ملتی۔

اس حدیث مبارکہ میں ناسمجھ انسانوں کی نادانی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت اور خیر خواہی کی حقیقی اور زندہ تصویر سامنے آجاتی ہے۔پروانوں کو خبر نہیں کہ آگ ان کے نرم ونازک جسم کو خاکستر کر دے گی،وہ اس پر گرے پڑتے ہیں یہی حال ان لوگوں کا ہے جو اللہ کے عذاب سے بے خوف ہو کر حدود الٰہی کو پامال کرتے ہیں اللہ کے غضب کے مستحق ہوتے ہیں جس کا مزہ وہ دنیا میں چکھتے ہیں لیکن اللہ کا رسول انہیں عذاب سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے پھر اگر کوئی

نہیں سنبھلتا تو وہ اپنی تباہی کا خود ذمہ دار ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اہل بیت

عَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمٍ رَضِىَ اَللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّىْ تَارِكٌ فِيْكُمْ مَا اِنْ تمسَّكْتُمْ بِهٖ لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِىْ اِحْدَهُمَا اَعْظَمُ مِنَ الْآخَرِ كِتَابُ اللّٰهِ حَبْلٌ مَمْدُوْدَةٌ مِنَ السَّمَاءِ اِلَى الْاَرْضِ وَ عِتْرَتِىْ اَهْلُ بَيْتِى وَلَنْ يَتَفَرَّقَا حَتّٰى يَرِدَا عَلَى الْحَوْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ تَخْلُفُوْنِىْ فِيْهِمَا.

(سنن الترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب اهل بیت النبی صلی الله علیه وسلم)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:''میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں میرے بعد جب تک تم انہیں پکڑے رہو گے کبھی گمراہ نہ ہوگے،ایک ان میں دوسری سے عظیم تر ہے،وہ ایک تو اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور اللہ تعالیٰ کی آسمان سے زمین کی طرف پھیلی ہوئی رسی ہے،اور دوسری میری اولاد، میرے گھر والے ہیں اور وہ الگ الگ نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر وہ میرے پاس آ پہنچیں گے پس تم لوگ سوچ لو کہ تم میرے بعد ان سے کیا معاملہ کرتے ہو(اور کیسے پیش آتے ہو)۔''

فائدہ:

اس حدیث مبارکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب اللہ یعنی قرآن مجید کی طرف اپنی امت کو توجہ دلائی ہے اور اپنے اہل کے حقوق بھی یاد دلائے ہیں اور اہل بیت کی فضیلت وعظمت بیان فرمادی ہے کہ تم لوگ میری نسبت کے خیال سے ان کے حقوق کی ادائیگی میں جتنے زیادہ سرگرم رہو گے اور ان کی ہر طرح خبر گیری میں جتنا زیادہ حصہ لوگے اتنا ہی تمہارے حق میں بہتر ہوگا اور تمہیں دنیا وآخرت میں خیر وعافیت نصیب ہوگی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شفیق باپ دم رخصت پر اپنی اولاد کے بارے میں وصیت کرتا ہے کہ میں یہ اپنی اولاد چھوڑ کر جارہا ہوں تم ان کی خوب دیکھ بھال کرنا اور ان کے حقوق ومفادات کا تحفظ کرنا۔

اہل بیت کا لفظ قرآن پاک میں ازواج مطہرات ہی کے لیے استعمال ہوا ہے۔سورہ احزاب کے چوتھے رکوع میں ازواج مطہرات کو کچھ خاص ہدایت دینے کے بعد اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اے پیغمبر کے گھر والیو! اللہ کو تو بس یہی منظور ہے تم سے ہر طرح کی گندگی کو دور کردے اور تمہیں ایسا پاک صاف کردے جیسا کہ پاک صاف کرنے کا حق ہوتا ہے۔﴾ (احزاب:۳۳)

اہل بیت کا لفظ قرآن پاک میں سورہ احزاب کے علاوہ صرف ایک جگہ اور سورہ ہود کی آیت ۷۳ میں آیا ہے یہاں بھی اہل بیت سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ حضرت سارہ ہیں۔البتہ یہ بات حدیث پاک سے ثابت ہے کہ جب سورہ احزاب کی آیت نمبر ۳۳ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں نواسوں حضرت حسن اور حسین ،اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ زہرا اور اپنے داماد اور چچا زاد بھائی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو ایک کملی میں ساتھ لے کر یہ دعا فرمائی:''اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں ان سے ہر طرح کی برائی اور گندگی کو دور فرمادے اور ان کو مکمل طور سے مطہر و پاک صاف فرمادے۔''،(بحوالہ ترمذی)۔اس طرح ازواج مطہرات تو نص قرآنی کی وجہ سے اور داماد و اولاد اس صحیح روایت کی رو سے اہل بیت ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا ایک تقاضا ہے کہ اہل بیت سے محبت ہو جیسا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے''اللہ کی محبت کی بناء پر مجھ سے محبت کرو اور میری محبت کی بناء پر میرے اہل بیت یعنی میرے گھرانے کے افراد سے محبت کرو۔''،(بحوالہ ترمذی)۔وہ اہل بیت جن کی فضیلت کعبہ کا دروازہ تھام کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمائی:''دیکھو! میرے اہل بیت کی مثال تم میں کشتی نوح کی سی ہے جو اس میں سوار ہوا وہ بچ گیا اور جو شخص اس کشتی میں سوار ہونے سے رہ گیا وہ ہلاک ہوا۔''(بحوالہ مسند احمد)۔اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو اس کشتی میں سوار فرمادے جو کہ ہماری فلاح و بقا کا ذریعہ ہے اور ہمیں ہلاکت سے محفوظ فرمادے اور اہل بیت کی ہمارے دلوں میں صحیح عقیدت واحترام نصیب فرمائے۔آمین۔

اس حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے قرآن کے متعلق فرمایا جس میں ہدایت اور نور ہے،یعنی کتاب اللہ میں ان احکام واعمال کا بیان ہے جن سے راہ حق روشن ہوتی ہے اور جو طالب کو منزل مقصود تک پہنچاتے ہیں۔کتاب اللہ کو مضبوط پکڑ لو یعنی اپنے فکر ونظر،اعتقاد وانقیاد اور عمل وکردار کی بنیاد کتاب اللہ کو قرار دو،اسی میں عقیدہ ویقین رکھو اور اسی پر عمل کرو۔یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنا بھی اسی طرح ہے جس طرح کتاب اللہ پر ہے،جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے۔

﴿اے اہل ایمان! جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیں وہ لے لو اور جس چیز سے روک دیں اس سے رک جاؤ۔﴾ (حشر:۷)

اس حدیث میں آپ کا یہ فرمانا: ''اور یہ دونوں الگ الگ نہیں ہوں گی۔''یعنی قیامت کے تمام مراحل پر ان دونوں یعنی کتاب اللہ اور اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ رہے گا کہیں بھی یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گی یہاں تک کہ یہ دونوں مل کر حوض کوثر پر میرے پاس آئیں گی اور دنیا میں جس جس نے ان دونوں کے حقوق اچھی طرح ادا کیے ہوں گے اس اس کا نام لے کر میرے سامنے شکریہ ادا کریں گی اور پھر میں بدلہ میں ان سب کے ساتھ نہایت اچھا سلوک اور احسان کروں گا اور اللہ تعالیٰ بھی ان سب کو کامل جزا اور انعام عطا فرمائیں گے۔ اور جن لوگوں نے دنیا میں ان دونوں کی حق تلفی کی ہوگی اور دونوں کے ساتھ کفران نعمت کیا ہوگا ان کے ساتھ اس کے برعکس معاملہ ہوگا۔

پھر یہ فرمانا: ''پس تم سوچ لو۔''یعنی میں نے ان دونوں کی حیثیت واہمیت تمہارے سامنے واضح کر دی ہے، اب تمہیں خود احتساب کرنا ہے کہ ان دونوں یعنی کتاب اللہ اور میرے اہل بیت کے سلسلے میں تم کیا معاملہ کرتے ہو۔

ایک اور روایت میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن مکہ و مدینہ کے درمیان پانی والے مقام پر جس کو خم کہا جاتا تھا خطاب عام کے لیے ہمارے سامنے کھڑے ہوئے۔ پہلے اللہ کی حمد وثناء کی، پھر لوگوں کو (اچھی باتوں اور اچھے اعمال کی) نصیحت فرمائی، ان کو اللہ کا ثواب وعذاب یاد دلایا (اور غفلت وکوتاہی کے خلاف خبردار کیا) اور پھر فرمایا: ''اے لوگو! آگاہ ہو، میں تمہارے ہی مانند ایک انسان ہوں (اس فرق کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری ہدایت کے لیے مجھ کو اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے اور مجھ پر وحی آتی ہے) وہ وقت قریب ہے جب میرے پروردگار کا فرشتہ (یعنی ملک الموت عزرائیل علیہ السلام مجھ کو اس دنیا سے لے جانے کے لیے یا تو تنہا یا جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ) آئے اور میں اپنے پروردگار کا حکم قبول کروں، میں تمہارے درمیان دو عظیم بانفیس چیزیں چھوڑ رہا ہوں، جن میں سے ایک کتاب اللہ ہے جس میں ہدایت (یعنی دین و دنیا کی فلاح و کامیابی تک لے جانے والی راہ راست کا بیان) اور نور ہے، پس تم کتاب اللہ کو مضبوط پکڑلو (یعنی اپنے مسائل کا حل اس کی روشنی میں ڈھونڈو، اسی کو اپنا رہنما بناؤ، اس کو یاد کر کے اپنے سینوں میں محفوظ کرو اور اس کے علوم و معارف کو حاصل کرو) غرض کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو کتاب اللہ کے حوالے سے خوب جوش دلایا اور اس کی طرف راغب کیا، پھر فرمایا اور (ان دو عظیم چیزوں میں سے دوسری چیز) میرے اہل بیت ہیں، میں تمہیں اللہ کا وہ عذاب یاد دلاتا ہوں جو میرے اہل بیت کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی اور کمی کے سبب ہوگا، میں (دوبارہ) تمہیں اللہ کا وہ عذاب یاد دلاتا ہوں جو میرے اہل بیت کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کے سبب ہوگا۔''، (مسلم)۔ یہ خطاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجتہ الوداع کے سفر واپسی کے دوران ذی الحجہ ۱۰ ہجری میں خم کے مقام پر کیا جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مشہور جگہ کا نام ہے، اور اس کے تقریباً تین ماہ بعد ربیع الاول ۱۱ ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا۔

شہرِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ النَّبِيّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ حَرَّمَ مَكَّةَ وَ اِنِّيْ حَرَّمْتُ الْمَدِيْنَةَ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا لَا يَقْطَعُ عِضَائِهَا وَ لَايُصَادُ صَيْدُهَا.

(صحيح مسلم، كتاب الحج، باب فضل المدينة و دعا النبى صلى الله عليه وسلم فيها بالبركة و بيان تحريمها و تحريم صيدها ...)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم ٹھیرایا اور میں مدینہ کو حرم ٹھیراتا ہوں اس کے دو میدانوں کے درمیان (کی جگہ کو)۔ نہ اس کے خاردار درخت کاٹے جائیں اور نہ اس کے جانوروں کو شکار کیا جائے۔''

فائدہ:

شہر مدینہ ہر مسلمان کی محبت اور شوق کا مرکز و محور ہے۔ ہر مسلمان کی خواہش ہے کہ اس کو اپنی زندگی میں کم از کم ایک بار شہر نبی کی زیارت کا شرف حاصل ہوجائے اور یہی اس کی زندگی کا حاصل ہے۔ یہ مقبولیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کی قبولیت ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی۔ آپ نے دعا فرمائی: ''اے اللہ ہمارے دلوں میں مدینہ کی محبت اس طرح بھر دے جیسے مکہ کی محبت ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ''، (صحیح بخاری)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شہر سے بہت محبت تھی اسی لیے جب بھی کسی سفر سے لوٹتے اور مدینہ منورہ کے مکانات پر نظر پڑتی تو سواری کو تیز فرما دیتے تھے، (بحوالہ بخاری)۔ یہ وہ زمین ہے جس کو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا شرف حاصل ہے۔ یہی وہ زمین ہے جس کے باشندوں نے اپنا خون دے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی اور اسلام کے پودے کی آبیاری کی۔ یہی زمین جسد اطہر کی امانت اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

کچھ ایسا تقدس ہے مدینے کی سحر میں اس شہر سے سورج بھی گزرتا ہے مؤدب

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں تشریف لانے سے پہلے اس خطہ ارض کا نام یثرب تھا جو بعض لوگوں کے مطابق اس کے بسانے والے کا نام تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت حاصل ہوگئی اور اس کا نام **مدینۃ الرسول** صلی اللہ علیہ وسلم ہوگیا۔ اس کا ایک نام طابہ بھی ہے جس کے معنی پاک کے ہیں۔۔ روایت میں آتا ہے: ''جس نے مدینہ کو یثرب کہا وہ اللہ سے استغفار کرے یہ طابہ ہے یہ طابہ ہے۔''، (مسند احمد)۔ بعض علمائے کرام نے اس کے پچانوے نام گنوائے ہیں ان میں چند یہ ہیں: ،حرم رسول صلی اللہ علیہ وسلم ،طیبہ، طیّبہ، العاصمہ، المبارکہ، قبۃ الاسلام۔

اس شہر کے متعلق تاریخ میں ایک واقعہ ملتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شہر کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ہجرت ہونا اور آپ کا یہاں قیام فرمانے کا ذکر پرانی مذہبی کتابوں میں موجود تھا۔ وہ واقعہ مختصرا کچھ یوں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے صدیوں پہلے ایک بادشاہ اپنے مصاحبین کے ساتھ جن میں بڑے بڑے مذہبی علماء بھی تھے کعبۃ اللہ کی زیارت کے بعد یثرب جو اس وقت پانی کے ایک چشمے کا نام اس کی طرف روانہ ہوا۔ وہاں پہنچ کر اس نے چند روز کے لیے پڑاؤ ڈالا۔ ایک دن اس کے لشکر میں شامل علماء نے گزارش کی کہ وہ اسی مقام پر سکونت اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ جب وجہ دریافت کی تو انہوں نے بتایا کہ یہ جگہ ایک ایسی ہستی کا مسکن بنے گی جو مکہ میں پیدا ہوں گے، جن کا نام محمد ہوگا، وہ کلمہ **لاالہ الا اللہ** کی دعوت دیں گے اور بالآخر اس جگہ ہجرت فرمائیں گے۔ ہماری خواہش ہے ہم یا ہماری نسلوں میں سے کوئی ان کی زیارت کرے اور ان پر ایمان کی سعادت پائے۔ یہ سن کر اس بادشاہ نے اپنے قیام کو طول دے دیا اور پورا ایک سال اس انتظار میں گزارا کہ وہ آنے والا اگر آجائے تو میں بھی اس کی زیارت مشرف ہوجاؤں۔ اسی دوران اس نے اپنے ساتھ آنے والے علما کے لیے مکانات تعمیر کروائے اور ان کے نکاح کروائے۔ ایک سال کے بعد وہ وہاں سے روانہ ہوگیا لیکن جانے سے پہلے ایک خط لکھ گیا جس میں اپنے ایمان لانے کا ذکر کیا اور یہ عہد کیا کہ اگر میں نے آپ کا زمانہ پالیا تو ہر طرح سے آپ کی خدمت کروں گا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روز محشر شفاعت کی درخواست کی۔ اس خط کو سربمہر کرکے سب سے بڑے عالم کے حوالے کردیا کہ اگر تمھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہو تو اس خط کو ان کی خدمت اقدس میں پیش کردینا ورنہ اسی بات کی وصیت اپنی اولاد کو کردینا۔ یہ خط نسل در نسل چلتا ہوا بالآخر ہجرت کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کردیا گیا۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مکان جہاں ہجرت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا اسی جگہ تھا جہاں اس بادشاہ نے مکانات تعمیر کروائے تھے۔ یہ اللہ نے اس کی محبت کا صلہ دیا جو اس کو بغیر دیکھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوگئی تھی۔

اس شہر کے فضائل بے شمار ہیں۔ یہ سراسر برکتوں اور رحمتوں والا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے بہت ساری دعائیں فرمائی ہیں۔ یہاں چند حدیثیں پیش خدمت ہیں۔

☆اے اللہ! ابراہیم علیہ السلام تیرے بندے، تیرے خلیل اور تیرے نبی تھے اور میں بھی تیرا بندہ اور تیرا نبی ہوں انہوں نے مکہ کے لیے تجھ سے دعا فرمائی تھی

میں بھی تجھ سے مدینہ کے لیے ان کی دعائے برکت سے دگنی برکت کی دعا مانگتا ہوں۔''(بحوالہ مسلم)۔

☆اس شہر کی ایک فضیلت یوں آتی ہے: مدینہ بھٹی کی طرح میل کچیل دور کرتا رہتا ہے اور پاکیزہ چیز ہی کو باقی رکھتا ہے۔'' (بحوالہ بخاری)۔

☆ایک روایت میں آتا ہے: ''جس شخص کے بس میں ہو وہ مدینہ منورہ میں فوت ہو کیونکہ میں مدینہ میں فوت ہونے والے کی سفارش کروں گا''، (ترمذی)۔ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے: اے اللہ مجھے اپنی راہ میں شہادت عطا فرما اور میری موت اپنے رسول کے شہر میں کر، (بخاری)۔ اپنی تمام تر نااہلی کے باوجود ہم بھی اپنے رب سے اسی کے طلب گار ہیں۔ اس کی عطا بے حد حساب ہے۔ **الله لطيف بعباده يرزق من يشاء**۔

☆ قیامت کے قریب دجال کے فتنے کا ظہور ہوگا لیکن وہ اپنی تمام تر شعبدے بازیوں کے باوجود مدینہ منورہ میں داخل نہ ہو سکے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مدینہ میں دجال کا رعب داخل نہ ہوگا ان دنوں مدینہ کے ساتھ دروازے ہوں گے ہر دروازے پر دو فرشتے مقرر ہوں گے''، (بخاری)۔ اسی طرح طاعون سے بھی اس شہر کو حفاظت عطا کی گئی ہے، (بخاری)۔

☆ایک فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے: ''مدینہ (اس میں رہنے والوں) کے لیے بہتر ہے بشرطیکہ وہ (اس کی بھلائی و بہتری کو) جانیں، جو بھی شخص بے رغبتی کے ساتھ (یعنی بلا ضرورت) اس شہر کو چھوڑے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ کسی دوسرے ایسے شخص کو مقیم کر دے گا جو اس سے بہتر ہوگا اور جو بھی شخص مدینہ میں سختیوں، مشقتوں اور تکلیفوں پر ثابت قدم رہے گا (یعنی وہاں کی ہر تنگی و پریشانی پر صبر کرے گا) تو میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا یا یہ فرمایا کہ میں اس (کی اطاعت) کا گواہ بنوں گا''، (مسلم)۔ اس حدیث شریف میں جہاں مدینہ کے رہنے والوں کے لیے خاتمہ بخیر کی سعادت عظمیٰ کی بشارت ہے وہیں یہ تنبیہ بھی ہے کہ مومن کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ حرمین شریفین یعنی مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی سکونت پر اللہ تعالیٰ کی اس عظیم نعمت پر شکر بھی کرتا رہے اور وہاں کی ہر سختی و مصیبت پر صابر بھی رہے۔ اور ان مقدس شہروں کی بھلائی سے صرف نظر کر کے دوسری جگہوں کی ظاہری نعمت اور راحت و آرام پر نظر نہ رکھے کیونکہ اصل نعمت اور اصل راحت تو آخرت کی نعمت اور وہاں کی راحت ہے۔ اس حدیث میں شفاعت سے مراد یہ ہے کہ اس کے قصور اور اس کی خطائیں معاف کر دی جائیں اور اس کو بخش دیا جائے، اور گواہی اس کے ایمان اور اعمال صالحہ کی اور اس بات کی کہ یہ بندہ تنگیوں اور تکلیفوں پر صبر کیے ہوئے مدینہ ہی میں مقیم رہا۔

مدحت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضَعُ لِحَسَّانَ مِنْبَرًا فِي الْمَسْجِدِ يَقُوْمُ عَلَيْهِ قَائِمًا يُفَاخِرُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ يُنَافِحُ وَ يَقُوْلُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ اللّٰهَ يُؤَيِّدُ حَسَّانَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ مَا يُنَافِحَ أَوْ يُفَاخِرُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

(سنن الترمذی، کتاب الأدب، باب ما جاء فی انشاد الشعر)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے منبر رکھوا دیتے تھے جس پر وہ کھڑے ہو کر (اپنے اشعار کے ذریعے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اظہار فخر کرتے تھے یا (یہ الفاظ ہیں کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے (رسول اللہ کی شان میں کفار کے نازیبا اشعار) کا مقابلہ کرتے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: ''اللہ تعالیٰ روح القدس (جبرئیل علیہ السلام) کے ذریعے حسان کی مدد کرتا ہے جب تک وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مقابلہ کرتے ہیں یا (یہ الفاظ ہیں کہ) جب تک وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اظہار فخر کرتے ہیں۔''

فائدہ:

ظہور اسلام کے وقت عربوں میں شاعری کا عام رواج تھا۔ ان کی عورتیں ان کے بچے سب ہی شاعری پر قدرت رکھتے تھے۔ اسی کے ذریعے وہ اپنے دوستوں سے اظہار محبت اور اپنے دشمنوں سے اظہار نفرت کرتے تھے اور اس میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتے تھے۔ یہی لوگ جب اسلام کے دامن رحمت میں آئے تو اس وصف کو اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لگا دیا۔ یوں تو ہر شخص اپنے اپنے ذوق کے مطابق مختلف موقعوں پر اشعار کے ذریعے اپنے خیالات اور احساسات کو اظہار کرتا تھا لیکن علمائے کرام نے لکھا ہے کہ تین حضرات شعرائے اسلام میں ممتاز اور برتر حیثیت رکھتے تھے۔ ان میں ایک حضرت کعب بن مالک، دوسرے حضرت عبداللہ بن رواحہ اور تیسرے حضرت حسان بن ثابت تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ ان تینوں حضرات کا اپنا الگ الگ شعری ذوق تھا۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو شاعر رسول کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے اپنے اشعار کے ذریعے دشمنان رسول کے پر طعن وتشنیع کے تیر چلاتے تھے۔ جس کا اظہار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث شریف میں فرمایا ہے۔

مدحت رسول صلی اللہ علیہ وسلم چاہے نثری ہو یا شعری اپنے کرنے والے کے لیے دنیا و آخرت کا سرمایہ ہے۔ اسی لیے ہر وہ مسلمان جس کو اللہ نے اظہار و بیان کی خوبی سے نوازا ہے اس نے اپنی ان صلاحیتوں کا بہترین اظہار مدحت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے کیا ہے۔ اور ہم جیسے جو اس سے وصف سے محروم ہیں مانگے تانگے سے کام چلا لیتے ہیں:

اب تک وہ زمیں چاند ستاروں کی زمیں ہے — چمکتی تھی جو ترے نقش کف پا سے
ہر شاہ تیری راہ میں اک خاک نشیں ہے — جھکتا ہے تکبر تیری دہلیز پہ آکر
تو خاتم دوراں کا درخشندہ نگیں ہے — چمکا ہے تری ذات سے انساں کا مقدر
گرچہ یہ زباں اس کی سزاوار نہیں ہے — آیا ہے تیرا نام مبارک میرے لب پر

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور ان سے تعلق ایمان کا حصہ ہے اور اگر اللہ نے توفیق دی ہو تو اس کا اظہار بھی نثر و شعر میں مطلوب ہے لیکن بعض اوقات خیال وفکر کی جولانی اپنا اظہار ایسے پیرائے میں کر بیٹھتی کہ وہ اسلام کے معلوم ومعروف عقائد سے ٹکرا جاتا ہے۔ مثلا ایک شاعر کہتا ہے:

کوئی ڈھب چاہیے آخر رقیبوں کی خوشامد کا — طواف کعبہ مشتاق زیارت کو بہانہ ہے

اس میں زیارت سے مراد زیارت قبر مبارک ہے اور رقیب سے مراد اللہ تعالیٰ ہے۔ ایسی کسی لغزش سے اپنے آپ کو بچانا ضروری ہے اس لیے کہ حد سے بڑھنا خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہیں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے حد سے نہ بڑھانا جس طرح عیسائیوں نے حضرت عیسی علیہ السلام کو حد سے بڑھا دیا۔''، (بحوالہ صحیح بخاری)۔ اسی طرح مدحت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس کا اہتمام اور ان میں شرکت باعث خیر و برکت ہے لیکن اس میں بھی یہ احتیاط پیش نظر رہے کہ ان کا انعقاد کسی دوسرے کے آرام اور راحت میں مخل نہ ہو اس لیے کہ مسلمان کو تکلیف دینا گناہ کبیرہ ہے۔

خواب میں زیارت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَسَمُّوا بِاسْمِیْ وَ لَا تَكْتَنُوا بِكُنْیَتِی وَ مَنْ رَآنِی فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِی فَإِنَّ الشَّیْطَانَ لَا یَتَمَثَّلُ فِی صُورَتِی وَ مَنْ كَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ.

(صحیح البخاری، کتاب العلم، باب إثم من کذب علی النبی صلی الله علیه وسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''میرا نام رکھومگر میری کنیت نہ رکھا کرو، جس شخص نے مجھ کوخواب میں دیکھا بلاشبہ اس نے مجھ ہی کو دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا، اور جس نے جان کر مجھ پر جھوٹ باندھا اس کو چاہیے کہ اپنی جگہ دوزخ میں تیار کرلے۔''

فائدہ:

اللہ رب العزت نے شیطان کوبعض ایسے کاموں کی طاقت دی ہے جو انسان کے بس سے باہر ہیں۔ انہی میں سے یہ بھی ہے کہ وہ انسانی شکل میں آکر انسانوں کو دھوکہ دیتا ہے۔لیکن یہ اس کی طاقت سے باہر ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت اقدس کی شکل اختیار کرسکے۔اور اس میں کیا شک ہوسکتا ہے کہ جو تا قیامت تک کے لیے مردود وملعون ہے وہ کس طرح مجسم حسن و جمال صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت اختیار کرسکتا ہے۔حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین وجمیل کوئی چیز نہیں دیکھی ایسا معلوم ہوتا کہ ایک آفتاب ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ اقدس سے جلوہ ریز ہورہا ہے، (بحوالہ ترمذی)۔

علمائے کرام نے بتاتے ہیں کہ خواب تین طرح کے ہوتے ہیں، ایک اللہ کی طرف سے دوسرا شیطان کی طرف سے اور تیسرا تحدیث نفس یعنی نفس کے اپنے خیالات جوبعض اوقات خواب کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اس تقسیم کے اعتبار سے دیکھا جائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب میں نظر آنا شیطان کی مداخلت سے محفوظ ہے لیکن اس بات کا امکان موجود ہے کہ خود نفس کے اپنے خیالات کو انسان زیارت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جوڑ دے۔اس لیے خواب کی ہر زیارت پر قطعی طور پر زیارت کا حکم نہیں لگایا جاسکتا اس لیے کہ اس میں تحدیث نفس کا امکان موجود ہے۔

خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے متعلق علمائے کرام کی رائے یہ ہے کہ جس شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کوخواب میں دیکھا اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی دیکھا خواہ وہ عین اسی طرح ہو جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں منقول ہے یا کسی اور شکل میں۔ البتہ اس میں اتنا فرق ہے کہ اگر دیکھنے والے نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھی شکل وصورت میں دیکھا تو یہ دیکھنے والے کے ایمان کامل اور صالح عقیدے کی علامت ہے اور جس شخص نے اس کے برخلاف دیکھا تو اس کے ایمان اور عقیدے کی علامت ہے۔غرض یہ کہ دیکھنے والے نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس حال میں دیکھا وہ خود اس کی حالت کا انعکاس ہے۔اس سے یہ بات بھی سمجھ میں آگئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کرنا یقیناً ایک بہت بڑی سعادت کی بات ہے لیکن یہ اس شخص کے اللہ کا محبوب ہونے کی دلیل نہیں یا دوسرے لفظوں میں یہ اس کی ولایت کی دلیل نہیں بن سکتی۔ بلکہ یہ دیکھا جائے گا کہ وہ اپنی بیداری کی زندگی میں سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کتنا پابند ہے۔اب اگر وہ اتباع سنت کا اہتمام کرتا ہے تو انشاء اللہ مقبول ہے اور جو اس کے برخلاف ہے تو زیارت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس پر حجت ہے۔

یہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ اگر کسی کو خواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ارشاد سنا تو اس کو میزان شریعت پر تولا جائے گا، اگر وہ شریعت کے مطابق ہوگا تو یقیناً حق ہے اور اگر موافق نہ ہو تو یہ کہا جائے گا کہ سننے والے نے سننے میں خطا کی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کوخواب میں دیکھنے والا صحابی نہیں اور نہ ہی یہ کوئی اختیاری عمل ہے۔جس کو بھی یہ زیارت حاصل ہوتی ہے اس کی حیثیت کرامت کی ہے اور خود کرامت اختیاری چیز نہیں ہے۔

اللہ ہر ہر مسلمان کو یہ سعادت نصیب فرمائے اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:''جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ جلد ہی مجھ کو بیداری کے عالم میں دیکھے گا''، (بحوالہ بخاری، مسلم)۔علمائے کرام فرماتے ہیں بیداری میں دیکھنے سے مراد آخرت میں دیکھنا ہے۔

معجزات خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم

عَنْ الْبَرَاءِ رَضِیَ اللّٰہ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ کُنَّا یَوْمَ الْحُدَیْبِیَۃِ اَرْبَعَ عَشْرَۃَ مِائَۃً وَ الْحُدَیْبِیَۃُ بِئْرٌ فَنَزَھَا حَتّٰی لَمْ نَتْرُکْ فِیْھَا قَطْرَۃً فَجَلَسَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی شَفِیْرِ الْبِئْرِ فَدَعَا بِمَاءٍ فَمَضْمَضَ وَ مَجَّ فِیْ الْبِئْرِ فَمَکُثْنَا غَیْرَ بَعِیْدٍ ثُمَّ اسْتَقَیْنَا حَتّٰی رَوَیْنَا وَ رَوَتْ اَوْ صَدَرَتْ رُکَائِبُنَا.

(صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الأسلام)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حدیبیہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم چودہ سو افراد تھے، حدیبیہ میں ایک کنواں تھا جس کا پانی ہم سب نے کھینچ کر استعمال کرلیا تھا اور اس میں ایک قطرہ بھی پانی نہیں رہا تھا، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم ہوا (کہ کنواں خشک ہوگیا ہے اور پانی ختم ہوجانے کی وجہ سے لشکر کے تمام لوگ پریشان ہیں) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کنویں پر تشریف لائے اور اس کے کنارے پر بیٹھ گئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کا پانی منگا کر وضو کیا اور وضو کے بعد منہ میں پانی لیا اور دعا مانگی، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ آب دہن کنویں میں ڈال دیا اور فرمایا کہ ساعت بھر کنویں کو چھوڑ دو، اور پھر (ایک ساعت کے بعد کنویں میں اتنا پانی ہوگیا کہ) تمام لشکر والے خود بھی اور ان کے مویشی بھی خوب سیراب ہوئے اور جب تک وہاں سے کوچ کیا اسی کنویں سے پانی لیتے رہے۔''

فائدہ:

اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں اور رسولوں کی سچائی ثابت کرنے کے لیے اور ان کی نبوت و رسالت کی دلیل کے طور پر جو نشانیاں ظاہر فرماتا ہے جو کہ جاری نظام قدرت سے الگ اور عادت و عام طریقہ سے ہٹ کر ہوتے ہیں ان کو معجزہ کہا جاتا ہے، جس کو دیکھ کر اس کی امت اور قوم کے لوگ نہ صرف یہ کہ مقابلہ میں اس معجزہ کی طرح کا کوئی کرشمہ دکھانے اور پیش کرنے سے عاجز ہوتے ہیں بلکہ اگر کوئی چاہے کہ اس معجزہ کا کوئی توڑ کردے تو یہ بھی ناممکن ہوتا ہے۔ اسی طرح اولیا اللہ کے ذریعے بھی ایسے ہی بہت سے کام وجود میں آتے ہیں جن کو کرامات کہا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ معجزہ اور کرامت براہ راست اللہ تعالیٰ کا فعل ہے جو نبی یا ولی کے واسطے سے ظاہر ہوتا ہے۔ نبی یا ولی کو اس کے وجود میں لانے کا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ قرآن پاک کی بہت سی آیات اس کی دلیل ہیں مثلاً سورہ انفال آیت نمبر ۱۷ میں جہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معجزے کا ذکر ہے جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کے لشکر کی طرف ایک مٹھی کنکریوں کی پھینکی اور اللہ کی قدرت سے وہ سارے لشکر کی آنکھوں میں جالگیں اس کے متعلق اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

﴿اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت تم نے کنکریاں پھینکی تھیں تو وہ تم نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ اللہ نے پھینکی تھیں۔﴾ (انفال:۱۷)

اب ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند معجزات کا یہاں ذکر کرتے ہیں۔

۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پتھر اور درخت سلام کیا کرتے تھے۔ (بحوالہ ترمذی و دارمی)

۲) عبداللہ بن عتیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جب ٹانگ ٹوٹ گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک ان کی ٹانگ پر پھیرا اور اسی وقت ان کا پاؤں اس طرح اچھا ہوگیا جیسے اس میں کبھی کوئی تکلیف ہی نہیں ہوئی تھی۔ (بحوالہ بخاری)

۳) غزوہ احزاب کے موقع پر حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بکری کا ایک بچہ ذبح کیا اور تقریباً ساڑھے تین سیر جو پیسے جس سے روٹی بنائی جا سکے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گندھے ہوئے آٹے میں اپنا لعاب دہن ڈال کر برکت کی دعا فرمائی پھر ہانڈی میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور برکت کی دعا فرمائی، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس وقت خندق والے ایک ہزار آدمی تھے (جو تین دن سے بھوکے تھے) اور میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ان سب نے (اس کھانے میں سے خوب شکم سیر ہوکر) کھایا لیکن کھانا (جوں کا توں) بچا رہا۔ (بحوالہ بخاری و مسلم)

۵) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک سفر کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قضائے حاجت پیش آئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے درختوں سے فرمایا کہ میرے لیے قریب قریب آجاؤ تاکہ میں تمہارے درمیان چھپ جاؤں، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں میں سوچ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ یہ کیسا معجزہ ظاہر کیا ہے کہ اچانک میری نظر اٹھی اور دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں اور پھر کیا دیکھتا ہوں کہ وہ درخت ایک دوسرے سے جدا ہوکر اپنی اپنی جگہ پر جا کھڑے ہوئے۔ (بحوالہ مسلم)

۷) ایک دیہاتی کو جب ایمان کی دعوت دی گئی تو اس نے کہا جب تک یہ گوہ ایمان نہ لائے گا میں نہیں لاؤں گا اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے سے گوہ نے نہایت صاف عربی میں جواب دیا اور اس نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول اور خاتم النبین ہونے کا اقرار کیا۔ (بحوالہ طبرانی)

قرآن کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ

عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنَ الْاَنْبِيَاءِ نَبِیٌّ إِلَّا أُعْطِیَ مَا مِثْلُهُ آمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ وَ إِنَّمَا كَانَ الَّذِیْ أُوْتِيْتُ وَحْيًا أَوْحَاهُ اللّٰهُ إِلَیَّ فَأَرْجُوْ أَنْ أَكُوْنَ أَكْثَرَهُمْ تَابِعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

(صحيح البخاری، كتاب فضائل القرآن، باب كيف نزل الوحی و اول نزل...،صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب وجوبالإيمان برسالة نبينا محمد صلی الله عليه وسلم إلی جميع الناس و نسخ الملل بملته)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ’’انبیاء میں سے ہر ایک نبی کو معجزات میں سے صرف اتنا دیا گیا جس پر انسان ایمان لا سکے، اور جو معجزہ مجھ کو ملا وہ اللہ کی وحی ہے جو اس نے میری طرف بھیجی (اور جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے) اس کی بناء پر مجھے یقین ہے کہ قیامت کے دن میرے ماننے والوں کی تعداد تمام انبیاء کے ماننے والوں سے زیادہ ہوگی۔‘‘

فائدہ:

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام چونکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے سامنے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسالت و نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ ان کو کچھ ایسے معجزے عطا فرماتا ہے جس کو وہ اپنے دعوے کی دلیل و برہان کے طور پر لوگوں کے سامنے پیش کر سکیں، چنانچہ جتنے نبی اور رسول اس زمین پر آئے ان کو کسی نہ کسی نوعیت کا ایسا معجزہ دیا گیا جس کو دیکھ کر سمجھ رکھنے والا انسان اس نبی کی تصدیق کر سکے اور اس پر ایمان لا سکے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جس نبی کو جو بھی معجزہ دیا گیا وہ اس نبی کے زمانہ اور اس کی حیات تک مخصوص اور باقی رہا، اس نبی کے اس دنیا سے رخصت ہونے کے ساتھ اس کا معجزہ بھی ختم ہو گیا، لیکن خاتم الانبیاء رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ قرآن کریم تا قیامت باقی رہے گا اور اس کی ذمہ داری خود رب العالمین نے لی ہے، ارشاد ربانی ہے:

﴿ہم نے ہی اس قرآن کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔﴾ (الحجر:۹)

یعنی اس کو ہر زمانے میں تا قیامت تک ہر طرح کی تحریف و تغیر سے بچانے کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود لے لی ہے چنانچہ قرآن کریم آج تک اسی طرح محفوظ ہے جس طرح یہ اترا تھا، اور تا قیامت محفوظ رہے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں سحر اور جادو کا زبردست چرچا تھا، اور اس وقت بڑے بڑے جادوگر اپنے فن کا کمال دکھایا کرتے تھے، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ید بیضا اور کا معجزہ دیا گیا۔ ان معجزوں سے نہ صرف عام لوگ بلکہ خود ان جادوگروں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عظمت کا اعتراف کرنا پڑا۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں طب و حکمت کا بڑا زور تھا چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ معجزہ عطا ہوا کہ وہ مردوں کو زندہ کر دیتے تھے، کوڑھی کو تندرست اور اندھے کو بینا بنا دیتے تھے، اور اس طرح ان کے یہ معجزات ان کے زمانے کے نہایت ترقی یافتہ طب و حکمت پر غالب رہے لیکن نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ان کے بعد باقی رہا اور نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کو دائمی حیثیت حاصل ہوئی اور ان کے ساتھ ہی یہ معجزہ بھی چلا گیا۔ اسی طرح ہر نبی کا معجزہ اس کی زندگی کے ساتھ ہی ختم ہو گیا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم کی صورت میں جو معجزہ عطا ہوا اس کو دائمی حیثیت حاصل ہوئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں زبان دانی اور بلاغت کا زور تھا، عربوں کا دعویٰ تھا کہ ان کی زبان دانی اور بلاغت کے سامنے دنیا کے تمام لوگ ’’گونگے‘‘ ہیں۔ ایسی قوم کے سامنے جب ایک امی پر ایسا کلام نازل ہوتا ہے جس کی فصاحت و بلاغت نے عرب کے بڑے بڑے فصیح و بلیغ کی فصاحت و بلاغت کو ماند کر دیا، اپنی زبان دانی اور معجز بیانی کا بلند بانگ دعویٰ کرنے والے مغلوب ہو گئے، تمام فصیح مل کر بھی قرآن کی ایک چھوٹی سی سورت جیسا کلام بھی پیش نہ کر سکے، اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس معجزہ کو تا قیامت تک کے لیے باقی رکھا جو ہر زمانے اور ہر طبقہ میں خاتم الانبیاء رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی صداقت پر پوری حقانیت اور یقین کے ساتھ گواہی پیش کرتا رہا ہے اور پیش کرتا رہے گا۔ گویا قرآن کریم اور سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے کا راستہ ہمیشہ کے لیے کھلا ہوا ہے، یہ شرف اور محفوظیت کا مقام پچھلی کسی بھی کتاب اور رسول کو حاصل نہیں ہوا، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس یقین کا اظہار کیا کہ مجھے عطا کیا جانے والا یہ معجزہ چونکہ قیامت تک باقی رہے گا اور لوگ برابر اس پر ایمان لاتے رہیں گے اس لیے قیامت کے دن اکثریت ان اہل ایمان کی ہوگی جو میری نبوت و رسالت پر عقیدہ رکھنے والے اور میرے معجزے قرآن کریم کو ماننے والے ہوں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ کے الفاظ

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ قَالَ کَانَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي خُطْبَتِہِ يَحْمَدُ اللّٰہَ وَ يُثْنِي عَلَيْہِ بِمَا ھُوَ أَھْلُہُ ثُمَّ يَقُولُ مَنْ يَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہُ وَ مَنْ يُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِيَ لَہُ إِنَّ أَصْدَقَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰہِ وَ أَحْسَنَ الْھَدْيِ ھَدْيُ مُحَمَّدٍ وَ شَرُّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُھَا وَ كُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَ كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٍ وَ كُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ ثُمَّ يَقُول بُعِثْتُ أَنَا وَ السَّاعَةُ كَھَاتَيْنِ وَ كَانَ إِذَا ذَكَرَ السَّاعَةَ احْمَرَّت وَجْنَتَاہُ وَ عَلَا صَوتُہُ وَ اشْتَدَّ غَضَبُہُ حَتَّى كَأَنَّہ نَذِيْرُ جَيْشٍ يَقُولُ صَبَّحَكُمْ وَ مَسَّاكُمْ مَن تَرَكَ مَالًا فَلِأَھْلِہِ وَ مَنْ تَرَكَ دَيْنًا أَوْ ضِيَاعًا فَإِلَيَّ أَوْ عَلَيَّ وَ أَنَا أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِيْنَ۔

(سنن النسائی، کتاب صلاۃ العیدین، باب کیف الخطبۃ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ میں ارشاد فرماتے تھے: ''ہم اللہ کی اس طرح حمد تعریف کرتے ہیں جس طرح کہ وہ حمد و تعریف کے لائق ہے۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: ''جسے اللہ راہ ہدایت دکھائے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جسے وہ گمراہ کردے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں، بیشک سب سے زیادہ سچی کتاب اللہ کی کتاب ہے اور سب سے اچھا طریقہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے اور بدترین کام (دین میں) نئی باتیں (بدعت) نکالنا ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں لے جانے والی ہے۔'' اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میں اور قیامت ان (دو انگلیوں) کی طرح (قریب اور نزدیک) ہیں۔'' اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کا ذکر فرماتے تو آپ کے رخسار مبارک سرخ ہوجاتے، اور آپ کی آواز بلند ہوجاتی اور آپ پر غضب کی کیفیت طاری ہوجاتی جیسے لشکر سے ڈرانے والے تھے کہ صبح آیا کہ شام آیا۔ (پھر آپ) فرماتے: ''جو مال چھوڑ کر مرے وہ (مال) اس کے گھر والوں کا ہے اور جو قرض یا بچے چھوڑ کر مرے ان کی پرورش میری ذمہ داری ہے اور ان کا خرچ مجھ پر ہے اور میں مومنوں کے سب سے زیادہ قریب ہوں۔''

فائدہ:

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ کے الفاظ ہیں ہیں۔ بعض دوسری روایتوں میں یہ الفاظ بھی ملتے ہیں: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہُ وَ نَسْتَعِيْنُہُ وَ نَسْتَغْفِرُہُ وَ نَعُوذُ بِاللّٰہِ مِن شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا فَمَنْ يَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہُ وَ مَنْ يُّضْلِلُ فَلَا ھَادِيَ لَہُ وَ أَشْھَدُ أَنْ لَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَ أَشْھَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہُ وَ رَسُولُہُ، (ترمذی)۔ ان دونوں روایتوں کو اکٹھا کرنے سے مسنون خطبہ بنتا ہے۔ پہلے ابن ماجہ کی روایت کے الفاظ پڑھے جاتے ہیں اور ان کے بعد اوپر والی روایت کے الفاظ پڑھے جاتے ہیں۔ اسی پر علمائے اسلام کا عمل ہے۔ اسی ترتیب سے اس کی کچھ وضاحت پیش خدمت ہے۔

مسنون خطبہ میں سب سے پہلے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہُ یعنی اللہ کی تعریف ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اپنے خطبے کا آغاز اللہ کی حمد و ثنا سے کرتے تھے۔ اس جہاں میں جو خوبی اور وصف کسی چیز میں بھی ہے وہ دراصل اللہ ہی عطا کیا ہوا اس لیے حمد کے لائق وہی ایک ذات ہے۔

وَ نَسْتَعِيْنُہُ میں اس بات کا اقرار ہے کہ ہم اسی سے مدد مانگتے ہیں۔ یہاں مدد چاہنا ان کاموں میں ہے جو مافوق الاسباب ہیں یعنی وہ کام جن کی طاقت قدرت اور اختیار سوائے اللہ تعالیٰ کے مخلوق میں سے کسی کو حاصل نہیں ہیں، مثلاً: بارش برسانا، اولاد دینا، رزق میں تنگی فراخی جیسے امور سب اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہیں۔ ان کاموں میں ساری مخلوق اسی کی محتاج ہے۔

وَ نَسْتَغْفِرُہُ اور ہم اسی سے (اپنے گناہوں کی) بخشش چاہتے ہیں۔ ہر انسان کسی نہ کسی طور اللہ کی نافرمانی کر بیٹھتا ہے اس لیے اس کو ہر دم اس کی بخشش مانگتے رہنا چاہیے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار معاذ اللہ گناہوں سے نہ تھا بلکہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت حق کے باعث تھا کہ جیسا تیری عبادت کا حق ہے وہ مجھ سے ادا نہ ہوا اور اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم استغار فرماتے تھے۔

وَ نَعُوذُ بِاللّٰہِ مِن شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا یعنی اپنے نفس کی شرارتوں سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اور اپنے اعمال کی برائیوں سے بھی اس کی پناہ میں آتے ہیں۔ نفس کی عادت تو برائی کی ترغیب دینا ہے جس سے بچنا اللہ کی مدد کے بغیر محال ہے اس لیے اللہ سے اس سے حفاظت کی درخواست اسی سے کی گئی جو اس کی بدی سے بچا سکتا ہے۔ اسی طرح عمل کی برائی سے بچنا اور نیکی کے کام کرنا اللہ ہی کی مدد اور توفیق سے ہوسکتا ہے۔

مَنْ يَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہُ یعنی جسے اللہ راہ ہدایت دکھائے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں۔ ہدایت دینا اور نیکی کی راہ پر چلانا یہ محض اللہ کی مشیت اور مرضی پر ہے اور جس کو وہ ہدایت دے دے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا۔ اللہ رب العزت نے فرمایا:

﴿(اے محمد!) تم ان لوگوں کی ہدایت کے ذمہ دار نہیں ہو بلکہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت بخشتا ہے۔﴾ (بقرۃ:۲۷۲)

وَ مَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَه اور جسے اللہ گمراہ کردے اس کے لیے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے۔ گمراہی کی نسبت اللہ کی طرف کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جہاں اس نے نیکی کا راستہ کھلا رکھا ہے اسی طرح بدی کرنے والے پر بھی کوئی پابندی نہیں ہے۔ یہ اپنے ہی کرتوت ہیں جس کے نتیجے میں انسان گمراہی کی راہ اختیار کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿تو جب وہ کج رو ہو گئے تو اللہ نے بھی ان کے دل ٹیڑھے کر دیے۔﴾ (صف:۵)

وَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُولُه یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے عبد اور رسول ہیں۔ اللہ اپنی ذات اور صفات میں اکیلا ہے۔ قولی، بدنی، مالی تمام عبادتیں اسی کا حق ہے۔ اپنے اختیار و تصرف میں بھی وہ اکیلا ہے۔ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار ہے۔ اپنے آپ کو اللہ کا عبد ہونے کی شہادت دینے کے بعد اپنے اللہ کا رسول ہونے کی شہادت دی۔

إِنَّ أَصْدَقَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ یقیناً کتاب اللہ سب سے بہتر، سب سے برتر، سب سے اعلیٰ کلام ہے اور اس سے بہتر کسی کی بات نہیں ہو سکتی۔

وَ أَحْسَنَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّد قرآن انسان کی دینی و دنیاوی فلاح کے لیے کافی ہے اور اس کی عملی تفسیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی جن کے اتباع سے ہم دین و دنیا کی فلاح پا سکتے ہیں۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

﴿یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں بہترین نمونہ ہے۔﴾ (احزاب:۲۱)

وَ شَرُّ الْاُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا وَ كُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَ كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٍ وَ كُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ دین مکمل ہو چکا اب اس میں کوئی بات اپنی طرف سے گھڑنا ہر کام سے بدتر ہے اسی کو بدعت کہتے ہیں۔ ایسا کرنا دراصل نبوت کا مقابلہ کرنا ہے۔ اس لیے کہ جو کام نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ہوئے نہ صحابہ کرام کے دور میں اور نہ تابعین ہی نے ایسا کوئی کام کیا اور اس کو نیکی اور ثواب سمجھ کر کرنا دراصل کار نبوت کو نامکمل سمجھنا ہے اسی لیے ایسا کرنے والے کا ٹھکانہ جہنم بتایا گیا۔ البتہ جو کام دین کے لیے کیے جاتے ہیں وہ بدعت نہیں ہے۔ مثلاً دعوت و تبلیغ کے لیے جدید ذرائع ابلاغ کا استعمال بدعت نہیں ہے اس لیے کہ وہ دین کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں نہ کہ دین کا حصہ سمجھ کر۔

جس طرح سورۃ فاتحہ پورے قرآن کا خلاصہ اسی طرح یہ خطبہ سارے دین کا خلاصہ ہے۔ ہر مسلمان کو اس کو یاد کرنا چاہیے اور اس کو چھپوا کر زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانا چاہیے۔ اللہ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔ آمین۔

جیسا تیری عبادت کا حق ہے وہ مجھ سے ادا نہ ہوا اور اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم استغفار فرماتے تھے۔

وَ نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِن شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا یعنی اپنے نفس کی شرارتوں سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اور اپنے اعمال کی برائیوں سے بھی اس کی پناہ میں آتے ہیں۔ نفس کی عادت تو برائی کی ترغیب دینا ہے جس سے بچنا اللہ کی مدد کے بغیر محال ہے اس لیے اللہ سے اس سے حفاظت کی درخواست اسی سے کی گئی جو اس کی بدی سے بچا سکتا ہے۔ اسی طرح عمل کی برائی سے بچنا اور نیکی کے کام کرنا اللہ ہی کی مدد اور توفیق سے ہو سکتا ہے۔

مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ یعنی جسے اللہ راہ ہدایت دکھائے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں۔ ہدایت دینا اور نیکی کی راہ پر چلانا یہ محض اللہ کی مشیت اور مرضی پر ہے اور جس کو وہ ہدایت دے دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ اللہ رب العزت نے فرمایا:

﴿(اے محمد!) تم ان لوگوں کی ہدایت کے ذمہ دار نہیں ہو بلکہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت بخشتا ہے۔﴾ (بقرۃ:۲:۲۷۲)

وَ مَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَه اور جسے اللہ گمراہ کردے اس کے لیے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے۔ گمراہی کی نسبت اللہ کی طرف کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جہاں اس نے نیکی کا راستہ کھلا رکھا ہے اسی طرح بدی کرنے والے پر بھی کوئی پابندی نہیں ہے۔ یہ اپنے ہی کرتوت ہیں جس کے نتیجے میں انسان گمراہی کی راہ اختیار کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿تو جب وہ کج رو ہو گئے تو اللہ نے بھی ان کے دل ٹیڑھے کر دیے۔﴾ (صف:۵)

وَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُولُه یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے عبد اور رسول ہیں۔ اللہ اپنی ذات اور صفات میں اکیلا ہے۔ قولی، بدنی، مالی تمام عبادتیں اسی کا حق ہے۔ اپنے اختیار و تصرف میں بھی وہ اکیلا ہے۔ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار ہے۔ اپنے آپ کو اللہ کا عبد ہونے کی شہادت دینے کے بعد اپنے اللہ کا رسول ہونے کی شہادت دی۔

إِنَّ أَصْدَقَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ یقیناً کتاب اللہ سب سے بہتر، سب سے برتر، سب سے اعلی کلام ہے اور اس سے بہتر کسی کی بات نہیں ہوسکتی۔

وَ أَحْسَنَ الْهَدْیِ هَدْیُ مُحَمَّد قرآن انسان کی دینی و دنیاوی فلاح کے لیے کافی ہے اور اس کی عملی تفسیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی جن کے اتباع سے ہم دین و دنیا کی فلاح پاسکتے ہیں۔قرآن پاک میں ارشاد ہے:

﴿یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں بہترین نمونہ ہے۔﴾ (احزاب:۲۱)

وَ شَرُّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَ كُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَ كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٍ وَ كُلُّ ضَلَالَةٍ فِی النَّار دین مکمل ہو چکا اب اس میں کوئی بات اپنی طرف سے گھڑنا ہر کام سے بدتر ہے اسی کو بدعت کہتے ہیں۔ایسا کرنا دراصل نبوت کا مقابلہ کرنا ہے۔اس لیے کہ جو کام نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ہوئے نہ صحابہ کرام کے دور میں اور نہ تابعین ہی نے ایسا کوئی کام کیا اور اس کو نیکی اور ثواب سمجھ کر کرنا دراصل کارنبوت کو نامکمل سمجھنا ہے اسی لیے ایسا کرنے والے کا ٹھکانہ جہنم بتایا گیا۔البتہ جو کام دین کے لیے کیے جاتے ہیں وہ بدعت نہیں ہے۔مثلاً دعوت وتبلیغ کے لیے جدید ذرائع ابلاغ کا استعمال بدعت نہیں ہے اس لیے کہ وہ دین کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں نہ کہ دین کا حصہ سمجھ کر۔

جس طرح سورۃ فاتحہ پورے قرآن کا خلاصہ اسی طرح یہ خطبہ سارے دین کا خلاصہ ہے۔ہر مسلمان کو اس کو یاد کرنا چاہیے اور اس کو چھپوا کر زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانا چاہیے۔اللہ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔آمین۔